FEBRUARY 2005
کرن
مفت

ریحانہ آفتاب

محبت ہو ہی گئی

ڈائجسٹ ناولز لورز گروپ

"میرب عثمان! سنگھار میں اور کتنا وقت لگاؤ گی؟" پرسنل سیل کان سے لگائے اس کی جھلاہٹ پہ بے ساختہ مسکرا کر مسکارا' لائنر سے سجی سحر انگیز آنکھیں مرر پہ جماویں۔

"ابراہیم بڑے اتاولے ہو رہے ہو؟" بلشر رخساروں پہ پھیرتے اس کی جان سلگانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

"اتاولہ اور تمہارے لیے؟ خدا کو مانو یار' مر کے میں نے قبر میں جانا ہے۔ میں تو فروٹ ود فریش کریم'

ناولٹ

سموسے' بلیک فوریسٹ کیک' گجریلا انڈے کی کھیر اور اسپائسی چاٹ کھانے کو اتاولا ہو رہا ہوں' جو تمہاری فرینڈ و کزن میرے سامنے سرو کر رہی ہے۔ میرے غم کا اندازہ لگاؤ کہ میں انہیں صرف دیکھ سکتا ہوں۔ کھانے کی اجازت اس وقت ملے گی جب چیف گیسٹ صاحبہ تشریف لائیں گی۔ میری بھوک کو مزید مت بھڑکاؤ۔ اب آ بھی چکو یار۔" آخر میں اس کا لہجہ اونچا ہو گیا۔ دلچسپ انداز بیاں پہ اس کے لب مسکرا اٹھے۔

"کتنا کھاتے ہو تم؟"

"ہائیں کیا موبائل پہ میری تصویر بھی آ رہی ہے؟ تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ میں نے علاقہ غیر سے اک سموسہ اڑا لیا ہے۔ کافی ٹیسٹی ہے۔ سنو! میری مانو تو جلدی چلی آؤ۔ تمہارے آنے تک صفایا ہو گیا تو الزام مت دینا "بھائی!" قریب سے سمارا کی چیخ سنائی دی۔ غالباً" اسے سموسہ اڑاتے رنگے ہاتھوں پکڑا جا چکا تھا۔

"ناراض کیوں ہوتی ہو لو رکھ دیتا ہوں۔ آدھا کھایا ہوا ہے تو کیا ہوا۔" وہ اسے منا رہا تھا۔

"کم سے کم آج کے دن تو مت ستاؤ اسے برتھ ڈے ہے اس کا۔" وہ اسے سرزنش کرنے لگی۔

"جیسے تم ستانا کہہ رہی ہو ناں یہ پیار ہے۔ کل جب وہ پیا دیس چلی جائے گی تو میکے میں منائی سالگرہ یاد کر کے اس کے لب کم سے کم مسکرائیں گے تو۔ سوچوں کے دریچے سے کوئی خوش کن تصور اسے کھلکھلانے پر تو مجبور کرے گا ناں؟ ہے تو پرائی جانے کیسا نصیب ہو۔ مجھے اس کے کل پہ تو اختیار نہیں ہو گا آج پر تو ہے۔" گمبھیر لہجے میں دھیرے دھیرے بولتا وہ اس کے من مندر میں کتنی ہی گھنٹیاں بجا گیا۔ لگ نہیں رہا تھا یہ وہی ابراہیم ہے جو چند لمحے پہلے بذلہ سنجی میں مگن تھا۔

"اس سے پہلے کہ ہم بہن بھائی میں سنگین ناراضگی ہو جائے۔ فساد کی جڑ چلی آؤ۔" وہ جو ابھی تک اس کے لفظوں کے بھنور میں کھوئی ہوئی تھی ہڑبڑا گئی۔

"ابراہیم! جان سے مار دوں گی تمہیں۔" اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ پھر اس کی آواز سرگوشی میں بدل گئی۔

"ایسا مقتول تم نے دیکھا ہے جو اپنے قاتل کا دل و جان سے انتظار کر رہا ہو؟ نہیں ناں؟"

"تم سے تو آ کر نپٹتی ہوں۔" خود کو سنبھال کر اس نے سابقہ لہجہ اختیار کیا مگر لہجے کی لڑکھڑاہٹ نے دوسری طرف ابراہیم کے لبوں پہ جاندار مسکراہٹ

لاڑادی۔

کب تک دل کا بھید تم ہم سے چھپاؤ گی
اک دن راہ پہ آنا ہے تم راہ پر آجاؤ گی

اس نے برجستگی سے شعر پڑھا۔ میرین عثمان کو اپنا چھوتہتا ہوا محسوس ہوا۔

"میں لینے آجاؤں؟" اپنائیت، محبت، ذمہ داری کا احساس لہجے میں آسمایا تھا۔ لفظ لفظ میں سحر تھا۔ جانتی تھی بے حد خیال رکھنے والا ہے۔

"میں آجاؤں گی۔"

"میں منتظر ہوں تمہاری آمد کا۔"

"کیوں؟" اس نے پوچھا کبھی کبھی جان کر بھی انجان بننے میں لطف آتا ہے۔ سماعت کسی دلربا جملے کی منتظر تھی۔

"آئی تھنک یو نو یو آر ویری اسپیشل فار می۔" سحر پھونک کر وہ خاموش ہو گیا۔ وہ کتنی ہی دیر اس کے لفظوں کے سحر میں جکڑی رہی۔

مما کو اپنے جانے کا بتانے سٹنگ روم میں آئی تو

راعمیس رضا پہلے سے براجمان تھا۔ سلام دعا کے بعد مما سے مخاطب ہوئی۔

"مما میں جا رہی ہوں۔"

"راعمیس اتنے دنوں بعد آیا ہے' ذرا کمپنی دو اسے۔"

"مما میں پہلے ہی لیٹ ہوں۔ سمارا کی کال بھی آچکی ہے سوری راعمیس۔" جلد سے جلد جان چھڑانا مقصود تھا۔ مما ناگواری سے اس کی عجلت دیکھ رہی تھیں۔

"کہاں کی تیاری ہے؟" راعمیس کی نظریں دھانی سوٹ میں سنوری مہرین عثمان پر ٹھہر گئیں۔

"پھپھو کے گھر آج سمارا کی برتھ ڈے ہے۔"

"برتھ ڈے سیلبریٹ کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو ویں لوگوں کو بلا کر کرتیں۔" مما تنک مزاجی سے گویا تھیں۔

"آپ جانتی ہیں پھپھو کے ہاں برتھ ڈے منانے کا تصور نہیں ہے۔ یہ تو ہر سال میں زبردستی کرتی ہوں اور یہ ان کی محبت ہے کہ میرے کہنے پہ تیار بھی ہو جاتے ہیں۔" اسے راعمیس کے سامنے مما کا انداز برا لگا۔

"فارگیٹ اٹ پھپھو۔ برتھ ڈے شان سے منانے کے لیے روپوں کی ضرورت ہوتی ہے۔" راعمیس کا انداز مما سے دو ہاتھ آگے تھا۔

"بجا فرمایا' راعمیس رضا' روپوں سے بیس تیس پونڈ کا کیک' چھ فٹ لمبی موم بتی خرید سکتے ہیں۔ روپوں کے بل بوتے پر شہر کی کریم آپ کے دیدہ زیب لان میں جمع ہو سکتی ہے۔ مگر جو خوشی چار کمروں کے مکان میں ایک پونڈ کا کیک کاٹنے سے ہوتی ہے' وہ تیس پونڈ کا کیک کاٹنے سے نہیں ہوتی۔ کیونکہ خوشی تصنع و بناوٹ میں نہیں سادگی میں نہاں ہے۔"

"کیسا بی ہیو کر رہی ہو تم؟" مما کو اس کی ترش باتیں ایک آنکھ نہ بھائیں۔

"رہنے دیں پھپھو یہ لیٹ ہو رہی ہے۔" بی جمالو کا کردار ادا کر کے وہ ثالث بن گیا۔

"چلو اپنی نئی پجارو میں تمہیں ڈراپ کر دوں۔"

تھوڑی دیر پہلے ابراہیم نے بھی کم و بیش ایسا ہی جملہ کہا تھا مگر اس جملے میں احساس ذمہ داری و محبت رچی بسی تھی جبکہ راعمیس رضا کی نمائشی آفر پہ اس کے لب بھینچ گئے۔

"تو تھینکس اللہ حافظ۔"

"پھپھو میں نے آج ہی نئے ماڈل کی پجارو خریدی ہے۔"

"پچھلے ماہ ہی تو تم نے نئی ٹویوٹا خریدی تھی۔"

"بس دل بھر گیا تھا اس سے نئی چیزیں دیکھ کر مجھ سے کہاں رہا جاتا ہے۔"

راعمیس اتراتے ہوئے گویا تھا۔

"اف! انسان اور اس کی خواہشات۔ آج کل معیار زندگی کا مفہوم بدل گیا ہے۔ ضروریات زندگی پوری ہونے کے باوجود آج کے انسان کو ایکسٹرا رکھنے کی عادت سی ہو گئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے ناکہ "غریب وہ نہیں ہے جس کے پاس تھوڑا ہے۔ غریب وہ ہے جسے اور کی ہوس ہے۔" اس نے سوچا پورچ کی طرف اٹھتے قدم کے ساتھ اس نے مما اور راعمیس کی مادی باتیں بغور سنیں اور تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

گرے گیٹ پہ آلٹو کو بریک لگا تو تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ ڈیش بورڈ سے سمارا کے لیے رکھا گفٹ اور کیک ہاتھوں میں تھامے ڈور بیل بجانے کو تیار ہوئی تو دروازہ خود ہی کھل گیا۔ جانی' پہچانی صدا سماعت سے ٹکرائی۔

بہت دور سے تیرے قدموں کی آہٹ جان لیتے ہیں
تجھے اے زندگی' اے زندگی ہم پہچان لیتے ہیں

دونوں پٹ پہ دائیں بائیں ہاتھ پھیلائے دھانی شرٹ اور بلیک جینز میں ملبوس ابراہیم جاندار مسکراہٹ لبوں پہ سجائے پرشوق نظروں سے اسے تک رہا تھا۔

"ہٹو پرے۔" اسے دروازے پہ بدستور کھڑے دیکھ کر وہ گھورنے لگی۔

"میرے لیے لائی ہو؟" اس کی بات کو نظرانداز کر کے پوچھا۔ شرارتی نظریں کیکے پر تھیں۔ کیک لینے کو ہاتھ بڑھایا۔ وہ سائیڈ سے نکل گئی۔

"اس عمر میں خوش فہمیاں اچھی نہیں ہوتیں۔"

پلٹ کر چڑانے سے باز نہ آئی۔ وہ اس کی پشت پہ نظریں جمائے کھڑا تھا۔ نفی میں سر ہلاتے دروازہ بند کر دیا۔ اندر آیا تو وہ اماں سے لگی کھڑی مسکرا رہی تھی۔

مما، راعمیس کی باتوں سے بگڑا موڈ اب ٹھیک تھا۔ اس گھر کے درو دیوار اور مکینوں کے انداز میں اتنی محبت و بے ساختگی تھی کہ وہ اس حصار میں آکر ہمیشہ پرسکون ہو جاتی تھی۔

"بھابھی سے ملے کافی دن ہو گئے ہیں۔ صبح بھائی سمارا کے لیے گفٹ لے کر آئے تو میں نے گلہ کیا کہ بھابھی کو بھی لے آتے۔ بھابھی صدا ہم سے فاصلے پر رہیں۔ اسٹینس تو فقط اک بہانہ ہے۔ اصل میں تو انہیں قلق..."

"اماں! چھوڑیں بیتی باتوں کو۔ سمارا کیک کاٹو بھئی۔ کیونکہ جس کا تھا انتظار وہ شاہکار اب ہمارے درمیان ہے۔" اس کے پھیکے پڑتے چہرے کو دیکھتے ابراہیم نے پھپھو کو بیچ میں ٹوک دیا۔ جانتا تھا وہ بے حد حساس لڑکی خود کو مجرم گرداننے لگتی تھی خواہ جرم کسی کا بھی ہو۔

"زیادتی مما کی طرف سے ہے۔ آپ غلط نہیں ہیں پھپھو۔" اس نے پھپھو کو اپنے ساتھ لگایا۔ اسی اثناء میں دروازے پہ دستک ہوئی۔ اس نے دروازہ وا کر دیا۔ پھوپھا نماز عصر ادا کر کے مسجد سے لوٹے تھے۔

"السلام علیکم پھوپھا جان۔" اس نے آگے بڑھ کر سر جھکا دیا۔

"جیتی رہو۔ اللہ نصیب اچھا کرے۔ اچھا بر ملے۔" آخری دعا پہ اس کی نظریں بے ساختہ واپس آتے ابراہیم سے مل گئیں۔ لبوں پہ رقصاں شرارتی مسکراہٹ اور آنکھوں میں اڑتی شوخی دور سے پڑھی جا سکتی تھی۔ اس نے نظر پھیر لی۔ بالآخر کیک کٹ گیا۔

پھر پھوپھا جان کے کوئی پرانے ملنے والے آ گئے تو پھپھو جان بھی وہیں چلی گئیں۔ سمارا آنے والوں کی خاطر میں لگ گئی۔ سمارا کے اصرار پہ ایک پلیٹ میں کچھ چیزیں لے کر وہ چھت کی سیڑھیوں پہ بیٹھ گئی۔ سردیوں کی آمد آمد تھی۔ ہوا میں ہلکی ہلکی خنکی جسم کو بھلی لگ رہی تھی۔

"سنو!" وہ اپنی پلیٹ لیے اس کے ساتھ آخری سیڑھی پہ براجمان ہو گیا۔ "ہوں۔"

"اچھی لگ رہی ہو۔"

"اطلاع ہے یا تعریف کر رہے ہو؟"

"تمہیں کیا لگتا ہے؟" اس کی پلیٹ سے فنگر چپس اٹھا کر بدستور کھاتے ہوئے استفسار کیا۔

"لگتی کہ تمہاری آنکھیں خراب ہو گئی ہیں۔ مانا کہ بادل چھائے ہوئے ہیں، بوندا باندی کا امکان ہے خبروں میں سن کر آئی ہوں۔ مگر خاصا اجالا ہے اس کے باوجود تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے کہ تم میری پلیٹ خالی کرتے جا رہے ہو۔" اپنی پلیٹ سے سموسے اٹھاتے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا۔ سموسہ پلیٹ میں گر گیا۔

"شیئر کرنے سے محبت بڑھتی ہے۔" جواب تیار تھا۔

"شیئر کرنے کے چکر میں تم سب چٹ کر جاؤ گے۔ تمہاری بیوی تو بھوکی مرے گی۔ اس کا مجھے اندازہ ہے۔" منہ بسور کے پلیٹ اس کی پہنچ سے دور کی اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ پھر شریر لہجے میں اس کی طرف جھکتے استفسار کیا۔

"بڑی ہمدردی ہے تمہیں میری بیوی سے؟"

"آخر میری صنف سے تعلق ہو گا اس بے چاری کا۔"

"یہ رہی آپ دونوں کی کافی۔" سمارا دو مگ اٹھائے چلی آئی۔

"لگتا ہے بارش ہو گی۔" وہ آسماں پہ نظریں جمائے پیشین گوئی میں مصروف تھی۔

"بارش ہو گئی تو ٹھنڈ میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ لیکن سردیوں کی بارش کا بھی اپنا ہی مزہ ہے۔" سمارا گویا

digest novels lovers group

تھی۔ نیچے پھپھو نے پکارا تو واپس ہولی۔
یکایک ہی کالے بادل چھا گئے۔ تاریکی چہار سو پر پھیلانے لگی۔ سمارا نے سیڑھیوں کی لائیٹ جلادی تھی جس سے چھت روشن ہو گئی تھی۔ بادل گرجے، بجلی چمکی آکاش سے ٹپکتی بوندیں قطار در قطار زمین سے گلے ملنے کی تیاری کرنے لگیں۔ آکاش سے زمین تک گو کہ کافی فاصلہ ہے۔ مگر جب بھی بارش کا پہلا قطرہ زمین کے لب کو چھوتا ہے تو زمین کا تشنہ منہ کھل جاتا ہے۔ اس کی پیاس بھڑک اٹھتی ہے۔ تشنگی جاگ اٹھتی ہے۔ بس اک لمحے کا ہوتا ہے یہ کھیل پھر ہر گرتا قطرہ زمین کے سوکھے تن پہ سیرابی کی داستاں رقم کرتا چلا جاتا ہے۔ دونوں کو شروع سے یہ منظر مبہوت کر دیتا تھا۔ اب بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ دونوں خاموش مہر بر لب آکاش کے سینے پہ نگاہیں جمائے بیٹھے تھے۔ بارش کا پہلا قطرہ زمین کے لب پہ گرتے ۔ دلچسپی سے دیکھا تھا۔ پھر بے ساختہ مسکرا کر دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ نگاہوں کے تصادم پہ شاید کہ بجلی چمکی تھی تبھی افق کی سرخی میرین کے عارضوں پہ بکھر گئی۔ نظریں چرا کر نے اس سحر سے نکلنا چاہا تھا۔
بوندیں اک کے بعد اک ان پہ چھینٹے اڑا رہی تھیں۔ معنی خیز خاموشی پہ دھڑکنیں ہراساں ہو گئیں تو وہ اٹھنے لگی۔ پھر اس کا سر میکانکی انداز میں گھما۔ ابراہیم کی ساگر آنکھیں اس پہ اٹھی تھیں۔ اس کے ہاتھ پہ اس کا ہاتھ آپڑا تھا۔ سحر انگیز و ساگر آنکھیں متصادم تھیں۔ ابراہیم کے لب نظم کہہ رہے تھے۔

ہم نے نہ کیا کوئی وعدہ
نہ کھائی کبھی قسمیں
ذکر چھیڑا نہ محبت کا
بات دل کی نہ ہوئی تھی
ہماری باتیں ہمیشہ عام سی رہیں
مووی، میگزین یا پھر
کرنٹ افیئرز پہ گھنٹوں بولتے تھے
زمانے کی بے حسی پہ آہیں بھرتے تھے
بے فیض لوگوں پہ افسوس کرتے تھے
جب کبھی بادل آتے تو کھل سے جاتے تھے
نگاہیں آسماں کے سینے پہ جمائے
ہولے ہولے کچھ گنگناتے تھے
بارش کا پہلا قطرہ زمین کے لب پہ گرتا
تو مسکرا کر اک دوسرے کو دیکھتے تھے
وہی لمحہ بار ہا آ کر آ جاتا
محبت ان کہی اپنی

سحر انگیز لفظوں کی آنچ نے دل کو چھوا تو پلکیں جھکتی چلی گئیں۔ وہ چاہتی بھی تو خمار آلود لہجے اس جادو گر کے سحر سے پیچھا نہ چھڑا سکتی تھی۔ اور وہ ایسا چاہتی بھی نہیں تھی۔ ابراہیم کے دل کی آواز میں اس کی دھڑکنیں ہم آواز تھیں۔ ابراہیم نے لفظوں کے سحر میں اسے کب سے جکڑا ہوا تھا اسے یاد نہیں۔ دونوں ہی آگاہ تھے کہ وہ اک دوسرے کے لیے خاص احساسات رکھتے ہیں۔ کبھی وہ ——— کھلے ڈلے کچھ کہہ جاتا تو وہ انجان بن جاتی اک عرصہ سے یہ آنکھ مچولی دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے چلے آرہے تھے۔ ان کی محبت کہی ان کہی کے بیچ پنپ رہی تھی۔ پر آج اظہار کی گھڑی نے دستک دی تھی۔
"میری!" چند ثانیے بعد اس کی صدا سنائی دی۔ نام انسان کا لباس ہے اور جب دل میں رہنے والا نام لیتا ہے تو اسی لباس میں چاند ستارے ٹک جاتے ہیں۔ لباس کی خوشنمائی بڑھ جاتی ہے۔ اپنا نام بڑا اچھوتا او رنیا لگنے لگتا ہے۔ سیڑھی پہ رکھے ہاتھ کو اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔
"سب تمہیں میری (mary) کہتے ہیں لیکن میں نے تمہیں ہمیشہ میری ——— کہا۔ اس پہ تم نے مجھ سے کتنی بار لڑائی بھی کی کہ میری تیری یہ کیا نام ہوا بھلا تب میں مسکرا کر رہ جاتا تھا۔ آج میں تمہیں بتاؤں کہ تمہیں میں نے جب بھی دیکھا مجھے لگا تم میری ہو صرف میری۔" سرشاری سے مسکراتے ہوئے وہ نظریں جھکا گئی۔
"میں تمہیں چاہتا رہا ہوں۔ کب سے؟ ٹھیک سے اس کا جواب تو شاید میں بھی نہیں جانتا۔ کبھی تم سے

اظہار نہیں کیا کہ محبت کو پلان کر کے اظہار تو کبھی نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح محبت بے اختیار ہوتی ہے۔ بے اختیار کر دیتی ہے اسی طرح اظہار میں بھی بے اختیاری اچھی لگتی ہے۔ سوچ سمجھ کر بزنس کیا جاتا ہے محبت نہیں تمہیں چاہنے کے بعد سے کسی لمحے مجھے نہیں لگا کہ مجھے تم سے باقاعدہ اظہار کرنا چاہیے۔ لیکن اب یہ بے اختیاری سرزد ہو ہی گئی ہے تو میں تم سے فقط ایک سوال کا جواب چاہوں گا۔" وہ بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی استفہامیہ نظروں میں اپنی ساگر آنکھیں ڈال کر اس نے ہولے سے سوال کیا۔

"کیا تم اجازت دو گی کہ میں ہمیشہ تمہیں چاہتا رہوں؟" کتنا دلکش سوال تھا۔ آنا" فانا" میرین عثمان کی ذات انمول کر دی تھی اس نے اس انداز اس لہجے میں وہ جان بھی مانگ لیتا تو وہ دے دیتی وہ تو فقط محبت کرتے رہنے کا خواہش مند تھا۔ محبت کی تاریخ میں شاید یہ پہلا دیوانہ تھا جو محبوب سے جواب اظہار کا متمنی نہیں تھا۔ وہ باخبر تھا صنف نازک جس مرد کو اپنا صحیح حقدار سمجھتی ہے اس سے ہی چاہے جانے کی آرزو مند ہوتی ہے۔

"اگر میں ناں کہوں تو...؟" اس کا مقصد محض پرکھنا تھا۔

"تھوڑی دیر پہلے میں نے بھی کہا تھا ناں کہ محبت بے اختیاری جذبہ ہے۔ لیکن بے اختیاری سے پہلے محبت کا وجود ہے۔ محبت نہ ہو تو بے اختیاری بے روح ہے۔ محبت کرنے کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔ ہم حاکم اور محب محکوم نہیں ہے جس پہ رعب جماکر اپنی سی کر گزرو۔ محبت خودی کا زعم نہیں ہے محبت کی کھاٹ پہ انا، زعم کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ نیند، چین، سکون، وفا محبت کی راہوں میں دان کرنا پڑتے ہیں۔ خود کو بہترین تیراک جان کر سمندر کی تہوں میں جا اترو لیکن سمندر جب تک چھلک کر سیراب نہ کرے تشنگی سیرابی میں نہیں بدلتی۔ محبت دل کا سودا ہے طلب حاصل ہو تو سرور ملتا ہے اسی طرح جب کوئی خود آپ کو چاہے جانے کی اجازت دیتا ہے تو اس کا مطلب ہے اس نے آپ کو دل سے اپنا مان لیا۔ محبت تو دل کا رشتہ ہے، جو زور زبردستی سے نہ بندھتا ہے نہ ٹوٹتا ہے۔" وہ انہماک سے سن رہی تھی جو محبت اور محبوب کے لیے اتنے پاکیزہ خیالات رکھتا تھا۔

"تم نے جواب نہیں دیا؟" چند ثانیے خاموشی کے بعد وہ گویا ہوا۔

"ہاتھ چھوڑو۔" جواب میں اس کا لہجہ خشک و بے لچک تھا۔ وہ چونک کر اس کی صورت دیکھنے لگا۔ نگاہیں حیران تھیں جیسے سماعت نے غلط سنا ہو۔

"میں نے کہا ہاتھ چھوڑو۔" اب لہجہ پہلے سے زیادہ خشک تھا۔ پل بھر میں اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ ساگر آنکھیں دھواں دھواں ہونے لگیں۔ اس نے سرعت سے ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ اٹھ کر نیچے جانے لگی۔ چند سیڑھیاں طے کر کے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ بے حس و حرکت سابقہ انداز میں بیٹھا اپنے ہاتھ کی مٹھی بنائے اس کی پشت کو تک رہا تھا۔ نگاہوں میں بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

"سب سے پہلے تو یہ بتا دوں کہ تم نے چند ثانیے پہلے محبت پہ جو سیر حاصل لیکچر دیا تھا بہت اچھا تھا اچھا لگا۔ بڑے چھپے رستم نکلے تم تو۔ ان فیکٹ میں نے تم جیسا خطیب آج سے پہلے نہ دیکھا تھا نہ سنا تھا۔ محبت کا طریقہ کار بھی تمہارا قابل ستائش ہے۔ لیکن تم ہو بڑے گھامڑ اتنی آسانی سے ہاتھ چھوڑ دیا۔ لیکن یہ میرے لیے پلس پوائنٹ ہے جو شو کر رہا ہے کہ آگے بھی تم میرا کہا مانا کرو گے۔ میں شاپنگ کی ضد کروں یا آؤٹنگ کی تم جھٹ سے مان لو گے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ میں بے وقوف تو ہرگز نہیں ہوں ورنہ تم ہاتھ تھامے ڈائیلاگز جھاڑ رہے ہوتے اور میں فضول میں نیلی پیلی ہو رہی ہوتی۔" وہ گویا تھی اور اس کا منہ کھلا جا رہا تھا۔

"اب جب تم جیسا بندہ جواب مانگے تو کون پاگل انکار کرے تو میری طرف سے بھی ہاں ہے۔ لیکن ایک بات تو بتاؤ؟"

digest novels lovers group

"پوچھو۔" ساگر آنکھیں عشق کی مشعلیں جلا چکی تھیں۔ چہرے کی شادابی لوٹ آئی تھی۔ بھینچے لب مسکرا اٹھے تھے۔ اندر باہر ہر طرف سکون تھا۔

"جو نظم تم رومینٹک ہو کر سنا رہے تھے وہ واقعی تمہارے دماغ کی پیداوار ہے؟" گرل پہ بازو رکھے بغور اس کی سمت متوجہ تھی۔ پکڑنے کی کوشش رائیگاں جاتی سو وہ آرام سے ٹیک لگا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اگر میں کہوں ہاں تو۔۔۔" ہاتھ سینے پہ باندھے دیوار سے ٹیک لگائے دلچسپی سے اس پر نظریں جمائیں۔

"تو میں یہی کہوں گی کہ یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ میرا خون یہ سوچ کر بڑھے گا کہ کوئی تو ہے جو میرے لیے شاعری کرتا ہے۔"

"تم!" وہ اک جست میں سیڑھیاں طے کر چکا تھا۔ جملہ اتنا اچانک اور بھرپور تھا کہ میرب عثمان کی فرار کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں۔

☆ ☆ ☆

"میری! میں مسز آفندی کی پارٹی میں جا رہی ہوں۔ واپسی میں دیر ہو جائے گی۔ تم کھانا کھا لینا اور اپنے بابا کو بھی کھلا دینا۔" کاہی گرین ساڑی میں نک سک سے تیار مما پارٹی میں جانے کو تیار تھیں۔

"مما بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" اس نے بے ساختہ تعریف کی۔ مما ہولے سے مسکرا دیں جوان بیٹی کے ہوتے ہوئے بھی لوگ مما کو ٹھہر کر دیکھتے تھے۔ جوان بیٹی کی ماں لگتی بھی تو نہیں تھیں۔ دیکھنے والے انہیں بہن ہی سمجھتے تھے۔ مما بے حد سوشل تھیں سو حلقہ احباب بھی بڑا تھا۔ آئے دن پارٹیز اٹینڈ کرتی رہتی تھیں۔ میرب عثمان بابا کی طرح ان پارٹیز سے بدکتی تھی۔ اب بھی مما نے اس کے ساتھ چلنے پہ اصرار کیا تھا۔ اسے گھر میں اکیلے رہنا منظور تھا مگر اس طرح کی پارٹی میں جا کر وقت گنوانا نامنظور۔ مما نکل رہی تھیں جب راعمیس رضا چلا آیا۔

"پھپھو کیا غضب ڈھا رہی ہیں۔" کشنز کے درمیان بیٹھی وہ ٹی وی پہ کارٹون دیکھ رہی تھی۔ راعمیس رضا کے جملے پہ اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔

"پھوپھا نے آپ کو پسند کر کے باذوق ہونے کا ثبوت دیا ہے۔" وہ گویا تھا۔ مما توصیفی جملے پہ کھل گئی تھیں۔ یہ باتیں، یہ ماحول اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد سے وہ یہی دیکھتی سنتی چلی آرہی تھی مگر آج تک عادی نہ ہو سکی۔ تعریف و توصیف کے جملے صدا سے وہی رہے ہیں مگر تعریف کرنے والے کے انداز اسے معتوب و معیوب بنا دیتے ہیں جیسے ابھی راعمیس رضا کا سطحی انداز اسے ذرا نہیں بھا رہا تھا۔ برے وہ جملے نہیں تھے جو وہ ادا کر رہا تھا۔ برا تو وہ انداز تھا جو ظاہر کر رہا تھا کہ یہ تعریف ایک بھتیجا نہیں ایک مرد کر رہا ہے۔ مما کو اس بات کی فکر نہیں تھی کہ تعریف کس انداز میں ہوئی وہ تعریف کو حق سمجھتی وصول کر کے چلتی بنیں۔ "کیا ہو رہا ہے؟" ایک کشن اٹھائے وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ "ٹی وی کے آگے بیٹھی مطالعہ تو کرنے سے رہی۔" اسے کڑی نظروں سے دیکھتی دوپٹہ شانوں پہ برابر کرتے ہوئے غیر محسوس طور پر پرے ہو کر بیٹھ گئی۔

"تم ہر وقت مرچیں کیوں چباتی رہتی ہو؟" بلیک سوٹ میں ٹھیک ٹھاک پرسنالٹی کے ساتھ وہ اسے سخت زہر لگ رہا تھا۔

"کیا بچوں والی چیزیں دیکھتی ہو۔" جیری کو ٹام کے پیچھے بھاگتے دیکھ کر ریموٹ اس سے لے لیا۔ انگلش چینل پہ سنسنی خیز لو اسٹوری موی چل رہی تھی۔ اسکرین پہ چلتے سین نے اسے نظریں چرانے پہ مجبور کر دیا۔ جبکہ وہ نظریں بدستور چپکائے پوری محویت سے دیکھ رہا تھا کارپٹ پہ بیٹھا صوفے سے پشت ٹکائے کشن دبوچے وہ حد درجہ ریلیکس تھا۔ اسے بلا کا غصہ آیا تھا۔ جھپٹ کر ریموٹ اس سے لے لیا۔ اگلے ہی پل ٹی وی آف کر دیا۔

"ارے۔۔۔" وہ احتجاج کر اٹھا۔ "بند کیوں کر دیا؟"

"مسٹر راعمیس رضا میں آپ کو یاد دلا دوں کہ یہ آپ کا نہیں میرا گھر ہے اور میں آپ کی ہم جنس

آلعا" نہیں ہوں۔ شرم نہیں آئی تمہیں اتنی چیپ مووی میرے سامنے لگاتے۔"

"تم میری ہم جنس نہیں ہو تو کیا ہوا، ہم لبرل فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔ تم سمیت کتنی ہی فی میل کزنز ہیں جن کے ساتھ میں ہر قسم کی موویز دیکھتا ہوں۔ جبکہ تم ہر گھڑی ڈیڑھ دو کلو کا دوپٹہ ہی سنبھالتی رہتی ہو۔ تم بے حد کنجسٹڈ مائنڈ ہو۔" اس کا انداز استہزائیہ تھا۔ اس کا انداز اسے آگ لگا گیا۔ "ہاں میں بے حد کنجسٹڈ مائنڈ' کزنز روٹو مائنڈ ہوں۔

میں تمہاری ان کزنز کی طرح نہیں ہوں جو تمہارے ساتھ بیٹھی یہ تھرڈ کلاس موویز دیکھتی ہیں۔ میں تمہاری ان کزنز میں سے بھی نہیں ہوں جن پہ میل کزنز کے سامنے دوپٹہ لینا حرام ہے۔ تم لگتے کیا ہو میرے، جو میں تمہارے ساتھ یہ گھٹیا مووی دیکھوں یا تمہارے سامنے دوپٹہ نہ لوں؟ ہاں میں کزن روٹو ہوں۔ اپنی بے حیا کزنز کو تم لبرل اور ماڈ سمجھتے ہو تو سمجھتے رہو۔ میں جو ہوں، جیسی ہوں مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو۔ مجھ پہ کمنٹ پاس کرنے کا تمہیں کوئی استحقاق نہیں ہے ــــ ناؤ یو کین گو۔" غضبناک انداز میں گویا ہو کر وہ لاؤنج سے نکل چکی تھی۔ راعمیس رضا غصے سے اسے دیکھتا رہا پھر وہ چلا گیا۔

"ہونہہ! ماڈرن ازم اور ماڈرن لوگ۔ جس کے پاس دوپٹہ نہیں ہے جو لڑکوں سے بے ہودہ جملے بازی کرتی ہیں وہ ماڈرن ازم نہیں ذہنی پستی کا ثبوت دیتی ہیں۔ کزنز کے ساتھ لگ کر بیٹھ جانا۔ چھولینا۔ کیا یہ ماڈرن ازم ہے؟" گیٹ بند کرتی وہ تاسف سے سوچ رہی تھی۔ اپنے کزنز کے ایسے کتنے ہی مناظر اس نے اپنی گناہگار آنکھوں سے دیکھے تھے۔ اپنی کزنز کے اندر "لڑکی پن" اسے نظر نہیں آتا تھا۔ نہ ہی میل کزنز کے لیے لڑکی پہیلی رہی تھی۔ اس لمحے وہ تاسف میں گھر جاتی تھی۔ اس کی انہی ترش باتوں اور پیشانی کی ناگوار لکیروں سے کزنز بدکتے تھے۔ سب ہی اسے بڑھی بدمزاج گردانتے تھے۔ نہ وہ ان کے رنگ میں ڈھل سکتی تھی نہ وہ ڈھلنا چاہتے تھے۔ راعمیس رضا نے سب کے سامنے ایک بار اس کے شانوں پہ ہاتھ رکھا تھا ان ہاتھوں کی زبان سمجھ کر اس نے اس کا ہاتھ جھٹک کر بے نقط کی سنائی تھیں۔ تب سے تمام میل کزنز اسے دیکھ کر کانشس ہو جاتے تھے مگر راعمیس رضا نجانے کس مٹی سے بنا تھا جو ہر بار بے عزتی کروا کر بھی شرمندہ نہ ہوتا تھا۔ اس کے ننھیال کا یہی ماحول تھا۔ سو وہ کبھی ان میں مکس اپ نہ ہو سکی۔ ددھیال میں پھپھو کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ واحد پھپھو کا گھر تھا جو اسے دنیا میں جائے پناہ لگتا تھا۔ سمارا اس کی بیسٹ فرینڈ تھی۔ تو ابراہیم دل کی دھڑکن۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ صفت ابراہیم نوعمری سے ہی اسے اچھا لگتا تھا۔ رلاتا تو ہنساتا بھی وہی تھا۔ کبھی بے حد شوخ تو کبھی بے حد سنجیدہ۔ کبھی شگفتہ جملوں کا اسٹاک ختم کرنے کا نام نہ لیتا تو کبھی قرآن و حدیث پہ گھنٹوں درس دیتا رہتا۔ عجب دھوپ چھاؤں کا سا امتزاج رکھتا تھا مزاج میں، ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر رہا تھا۔ میرین عثمان اس کے اندر پنپتی محبت سے آشنا تھی اور اب جب ابراہیم نے دل کی بات کو لفظوں کا پیراہن پہنایا تو اسے مسرت ہوئی کیونکہ وہ آشنا تھی۔ ابراہیم بھی بظاہر میل کزنز کی طرح ہے مگر اس کے دیکھنے کے انداز میں سطحی پن نہیں تکریم و احترام ہے۔ چھونے کے انداز میں چھچھلتی، الڈتی، جبلی خواہشات، ہوس نہیں، عزت کا مان ہے۔ محافظ کا سا انداز ہے اور عورت لٹیرے کا نہیں محافظ کا انتخاب کرتی ہے۔

☼ ☼ ☼

وہ کچھ دیر قبل یونیورسٹی سے لوٹی تھی۔ آج پریکٹیکل کے باعث خاصی تھکن ہو گئی تھی۔ لنچ کرنے کے بعد سوئی تو شام کی خبر لائی۔ بھاپ اڑاتی چائے کا مگ لے کر بیڈ روم سے ملحق بالکونی میں نکل آئی۔ زردی مائل سورج دن بھر کی تھکان سمیٹے غروب ہو رہا تھا۔ کل جب صبح ہو گی تو یہی سورج اپنی کرنیں بکھیرنے چلا آئے گا۔ دفعتاً موبائل پر بیل ہوئی۔ بیڈ پہ پڑے سیل فون کو اٹھا کر چیک کیا۔ اسکرین پہ موجود نمبر نام پہ

لب مسکرا دیے۔ ابھی اس کے ذہن کے دریچوں میں وہی جھلملا رہا تھا۔ کہتے ہیں دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ ابھی دل ہی دل میں اس نے اسے پکارا تھا۔

"ہیلو۔"

"وعلیکم ہیلو۔" چہکتی آواز سنائی دی۔

"وعلیکم ہیلو۔ کونسی لغت پڑھ رہے ہو آج کل؟"

"میری ذاتی لغت ہے۔" ہمیشہ کا سا فریش انداز تھا۔ پھر مطلب کی بات پہ آیا "تم ابھی گھر آجاؤ۔"

"ابھی؟" وہ حیران ہوئی۔

"کہو تو لینے آجاؤں۔"

"خیریت ہے؟"

"ہاں سرپرائز ہے چلو بتا دیتا ہوں میری پروموشن ہو گئی ہے۔ ایگزیکٹو منیجر کی پوسٹ پہ آفس کی طرف سے گاڑی ملی ہے۔"

"واؤ۔ سچ اگریٹ نیوز کانگریچولیشنز۔" اسے بے حد مسرت ہوئی۔

"یوں سوکھی سڑی مبارکباد دینے کے لیے کال نہیں کی۔"

"مجھے کیا کرنا ہوگا پرنس آف واڈے؟"

"میں اپنی خوشی اپنی فیملی کے ساتھ سیلیبریٹ کرنا چاہتا ہوں اور تمہارے بنا میری فیملی ان کمپلیٹ ہے۔" بعض لفظوں میں سحر ہوتا ہے جو جکڑ لیتا ہے۔ میرین عثمان کو بھی اس ساحر نے اپنے لفظوں کے سحر میں باندھ لیا تھا۔

"سن رہی ہو۔" خاموشی پہ اس نے استفسار کیا۔

"جی۔" وہ ابھی تک مسحور تھی۔ کوئی آپ کو اپنی زندگی مان بیٹھے یہ مان کچھ کم تو نہیں تھا۔

"تم آرہی ہو نا؟" استحقاق، مان، محبت سب ہی لفظوں میں آسمائے تھے۔

"بے یقینی ہے؟"

"نہیں محبت ہے۔" ہولے سے اظہار کیا۔

"تم بہت بڑے جادوگر ہو۔"

"یوں تمہاری نگاہوں نے کئی بار بتایا ہے مجھے۔" جواب پھر شوخ موصول ہوا۔ وہ بے ساختہ ہنس دی۔

"اچھا سنو! مجھے اپنے دوست سے ملنے جانا ہے آج رات وہ کینیڈا جارہا ہے۔ میں ابھی نکل ہی رہا ہوں ہو سکتا ہے لیٹ ہو جاؤں۔ لیکن ایک گھنٹے سے زیادہ نہیں لگے گا۔ تم ایک گھنٹے تک انتظار کرلوگی۔"

"ابراہیم! محبت میں یس اور نو بہت اہم ہوتے ہیں۔ جب کوئی پوچھتا ہے "آر یو لومی؟" اس سوال کا جواب بظاہر دنیا کا آسان ترین جواب بھی ہے اور مشکل بھی تفریحا" جواب دینا آسان ہے لیکن جب آپ کو سنجیدگی سے جواب دینا ہو تو بہت سوچنا پڑتا ہے۔ دراصل جواب دینے سے پہلے خوب سوچ بچار کرنا چاہیے۔ نامساعد حالات میں محبت نبھانے کی ہمت خود میں نہیں پاتے تو بے شک "نو" کہہ دیجئے۔ لیکن جب آپ یس کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی نگاہوں میں حالات کے نشیب و فراز ہیں۔ آپ نے سیریسلی یس کہا ہے تو آپ یس کو پورا کریں گے۔ میں نے تم سے دل لگی نہیں کی۔ دل کا رشتہ جوڑا ہے۔ سوچ بچار کے بعد یس کہا ہے۔ پھر کبھی ایسا سوال مت کرنا۔ میں ایک گھنٹے نہیں تا عمر تمہارا انتظار کر سکتی ہوں۔" اسے ابراہیم کا سوال برا لگا تھا سو اظہار میں مفصل تقریر جھاڑ دی۔

"جانتا تھا یہی جواب ہو گا۔ شکریہ کے طور پہ اپنے پاس الفاظ نہیں پاتا پھر بھی سن لو۔" کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد ایئرپیس پہ ابراہیم کی گمبھیر آواز گونجی۔

"میں کوئی شعر بھی بھولے سے نہ کہوں گا تجھ پہ
فائدہ کیا جو مکمل تیری تحسین نہ ہو"

اب کہنے کو کیا بچا تھا۔ وہ فرحت سے مسکرا دی۔

✡ ✡ ✡

تیاری میں پندرہ منٹ لگے تھے۔ اس کے پاس پون گھنٹہ تھا۔ سو اپنی آلٹو کا رخ مطلوبہ راستوں پہ موڑ دیا۔ مزاج آشنا تھی سو سب سے پہلے خوب صورت سا کیک بنوایا۔ پھر بک اسٹال کا رخ کیا۔ شعری مجموعے نئے پرانے کے کلکشن میں نظر آتے تھے سو مجموعہ منتخب کرنے میں تھوڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر

میں میوزک سینٹر گئی۔ اس کے پسندیدہ سنگر کی سی ڈیز لے کر پارکنگ تک آ گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتے اس کی نظریں سامنے اٹھیں اور خوشگوار حیرت نے لپیٹ میں لے لیا۔ گرے جینز' وائٹ شرٹ اور گرے واسکٹ میں ابراہیم کسی سے بات کرتا آرہا تھا۔ اس کی نظریں بھی میرین عثمان پہ پڑ گئی تھیں۔ مسکراہٹ لبوں پہ پھیلاتے اس نے ہیلو کہا۔ جواباً" اس نے مسکراہٹ تک پاس نہ کی۔ وہ آلٹو سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ ان دونوں کا رخ اسی طرف تھا۔ ابراہیم کے ساتھ موجود شخص کی نظریں میرین عثمان پہ گڑی تھیں۔ وہ مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔ اس شخص کی نظروں سے خائف ہو کر وہ ابراہیم کو دیکھنے لگی۔ جو قدم بہ قدم نزدیک آرہا تھا۔ پھر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ دونوں اس کے آگے سے نکل گئے۔ اس شخص نے ایک بار اسے مڑ کر دیکھا تھا ابراہیم کے چہرے پہ آشنائی کی کوئی چمک نہ تھی۔ اجنبی کی طرح آگے سے گزر گیا۔ بنا پہچانے' بنا ملے' بنا کچھ کہے۔ وہ اپنی جگہ سن ہو گئی۔ اس بے گانگی کی وجہ؟ وہ شخص جسے آپ سب سے زیادہ قریب پاتے ہوں وہ سر راہ یوں اجنبی بن جائے اس وقت دل پہ جو گزرتی ہے اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی حرکت شاک کی طرح گزری تھی۔ بنا کوئی ریسپانس دیے اجنبی کی طرح گزر جانا اسے لگا ابراہیم نے سر عام اس کی بے عزتی کی ہو۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ کتنی چاہت سے آنے پر اصرار کر رہا تھا اور ابھی یوں اگنور کر دیا ۔ کیا تھا یہ اس کا دماغ شل ہونے لگا۔ جی چاہا اس کے لیے خریدے گفٹس بیگ کو گاڑی سے باہر پھینک دے۔ اس پہ لعنت بھیج کر گھر چلی جائے اور پھر کبھی اس کی صورت نہ دیکھے۔ مگر وہ ان میں سے نہیں تھی جو اپنی ذات کی نفی کر دینے والے کو خاموشی سے چھوڑ دیتی ہیں۔ آلٹو کو لاسٹ گیئر میں ڈالے پھپھو کے گھر آ پہنچی۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔ بھائی نے میرے سامنے ہی کال کی تھی تمہیں۔" دروازہ سمارا نے کھولا تھا اور وہ حسب عادت شروع ہو گئی تھی۔

"ماں' ابا' چاچو کے گھر گئے ہوئے ہیں۔ چاچی کی طبیعت خراب ہے۔ آتے ہی ہوں گے۔ تم آؤ نا۔" اپنی خوشی میں اس نے میرین عثمان کی خاموشی کا نوٹس نہ لیا۔ وہ گیٹ بند کرنے لگی تھی جب سامنے فاروق صاحب کے گھر کا دروازہ کھلا۔ ان کی بیگم نے اسے مخاطب کیا۔

"سمارا بیٹا تم سے ضروری کام ہے ذرا دیر کو آجاؤ۔" برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے تھے ایک دوسرے کے کام آتے تھے سو سمارا سلیپر ڈالے تیار ہو گئی۔

"تم چلو گی؟" اس سے پوچھا۔

"تم ہو آؤ۔" سمارا فاروق صاحب کے گھر جا چکی تھی۔ اس کے قدم میکانکی انداز میں ابراہیم کے بیڈ روم کی طرف اٹھ گئے۔ نک سک سے درست کمرہ سامنے تھا۔ سامنے دیوار پہ عین بیڈ کے اوپر بڑی سی تصویر میں وہ مسکرا رہا تھا۔ اسے لگا وہ اس پہ ہنس رہا ہے۔ ہاتھ میں تھاما بکے اس نے تصویر پہ دے مارا۔ کلیاں منتشر ہو کر بیڈ پہ بکھر گئیں۔ ریک پہ سلیقے سے لگی ساری کتابیں نیچے کارپٹ پہ بکھیر دیں۔ سائیڈ پر رکھا گلاس کا شو کیس دیوار پہ دے مارا۔ بیڈ پلٹ کر دیا۔ غصے میں احساس بھی نہ ہوا کہ دروازے پہ گاڑی آکر رکی ہے۔ اپنے بیڈ روم کی دہلیز پہ کھڑا ابراہیم حیران پریشان نظروں سے اس کے غصے اور اپنے کمرے کی ابتر حالت ملاحظہ کر رہا تھا۔ وارڈ روب پلٹ کرنے کے ارادے سے وہ اس طرف بڑھی۔ وہ سرعت سے اس کی طرف بڑھا۔

"میری!" اسے شانوں سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔ اک لحظے کو اس نے اس کے چہرے پہ نظریں جما دیں۔ نظریں خالی خالی تھیں جیسے وہ حواسوں میں نہ ہو۔ ابراہیم اس کے جنون کو تجسس سے دیکھ رہا تھا۔

"میری کیا ہوا ہے؟" درحقیقت اس کا غصہ۔ بکھرا کمرہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ میرین عثمان کی ایسی حالت اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اسے تو اس کی دماغی حالت پہ شبہ ہونے لگا۔

"میری!" اس نے اس کا رخسار تھپتھپایا۔ وہ جو ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی حواس میں آگئی۔

"ڈونٹ کال می میری۔" اس کے ہاتھ شانوں سے جھٹک کر ہٹائے۔

"تم ٹھیک ہو نا؟" وہ پزل ہو رہا تھا۔

"نہیں پاگل ہو گئی ہوں۔ تمہارا یہ انداز دیکھ کر تو کیا کوئی بھی لڑکی پاگل ہو سکتی ہے کتنے اچھے ایکٹر ہو تم ابراہیم۔ کس خوب صورتی سے تم نے مجھے الو بنایا۔ گھر میں میری اور باہر پہچانتے ہی نہیں۔ اتنی ارزاں نہیں ہے میری عثمان کی ذات۔ تمہیں کیا لگا تھا تم میری عثمان کے ساتھ فلرٹ کر جاؤ گے اور وہ رو دھو کر چپ بیٹھ جائے گی۔ اگر تم نے ایسا سوچا بھی تو غلط سوچا ہے۔ میں جان سے مار دوں گی تمہیں۔" اس کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔ ابراہیم کی سمجھ میں ساری بات آگئی۔

"اتنے مردوں کی بھیڑ میں، میں نے تمہیں چاہا۔ اپنا نانا مما ہر بار ہر سال آمد پر مجھے سخت سست کہتی رہیں اور میں تمہاری خاطر سب سنتی رہی کہ تم سے ملے بنا تمہیں دیکھے بنا مجھ سے رہا نہیں جاتا تھا اور تم۔۔۔ تم بھی عام مرد نکلے۔ کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا؟" کالر کے دونوں سرے مٹھی میں بھرے جھٹکے دے کر مسلسل گولہ باری کر رہی تھی۔ وہ ارد گرد موجود مردوں سے پہلے ہی خائف تھی۔ ابراہیم اسے اوروں سے ممتاز لگتا تھا۔ لیکن آج جب اس نے سر راہ اسے نظر انداز کیا تو اسے لگا وہ بھی انہیں مردوں میں سے ہے۔ اور پھر ہم جسے چاہیں وہ یوں نظر انداز کر جائے تو یقیناً ہر دل ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا ہے۔ وہ بھی اسی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔ اس غصے کے پیچھے کئی اک محرک تھے اپنی ذات کی نفی، ابراہیم کے ہاتھوں کھلونا بننے کا خیال اور سب سے بڑا محرک ابراہیم کی ڈاؤن ہوتی پرسنالٹی۔ بنا کسی مزاحمت کے ساکت نظروں سے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ آنسوؤں میں ڈوبے چہرے کو بغور پڑھ رہا تھا۔ جنون کو پرکھ رہا تھا۔ اس کے کالر ہنوز اس کی مٹھیوں میں بھینچے ہوئے تھے۔ اس کا ہاتھ مٹھیوں پہ آیا۔ ابراہیم کے لبوں پہ لحہ بہ لحہ مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ ساگر آنکھوں میں مچلتی شوخی، شرارت نے اسے ٹھٹکا دیا۔

"اتنا چاہتی ہو مجھے؟" سوال بے حد غیر متوقع تھا۔ غصہ، جنون سرگوشی پہ دبک گئے۔ بنا کوئی جواب دیے وہ اس کی ساگر آنکھوں میں بغور دیکھ رہی تھی۔

"دیوانگی کی اس حد تک چاہتی ہو مجھے کہ میری ذرا سی لاتعلقی پہ میرے بیڈ روم کا حشر کر دیا۔ رو رو کر آنکھیں سجا لیں، میرے لیے لائے پھولوں کو بے قدری سے پھینک دیا۔ ایک ذرا سی بے اعتنائی پہ اتنا غصہ، کیوں کرتی ہو مجھ سے اتنا پیار؟" اس کی دھیمی سرگوشی پہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ ہکا بکا اسے تکتی رہی۔ ہولے سے مسکراتے اس کے ہاتھوں کو ایک ہاتھ میں تھام کر بھیگی پلکوں والی متحیر نگاہوں کو بغور دیکھا۔

"اپنے لیے تمہارا یہ جنونی انداز اچھا لگا۔" ارد گرد بکھری چیزوں پہ اشارہ کرتے شہادت کی انگلی بھیگی مگر تنی پلکوں پہ پھیری۔ وہ الٹے پاؤں دور ہو گئی۔ چہرے پہ بدگمانی کا ڈیرہ تھا۔

"میرے ساتھ کاشف تھا۔ ہم دونوں وجیہہ کو سی آف کرنے گئے تھے۔ تمہیں میں نے دیکھ لیا تھا مگر شناسائی ظاہر نہ کی۔ کاشف یوں تو اچھا دوست ہے مگر مردوں کا۔ عورتوں کے لیے اچھے خیالات نہیں رکھتا۔ ہر ایک کے لوافیئرز پہ ڈسکشن کرنا اس کا محبوب مشغلہ ہے۔ میں اس کے سامنے تم سے آشنائی کا اظہار کرتا، انٹروڈکشن کراتا اور پھر وہ شروع ہو جاتا۔

"کزن یعنی کہ بجن۔" پھر جا بجا آفس ہو یا پارک وہ تمہارا ذکر کرتا۔ میرے دیگر کولیگز تک تمہارا سراپا ظاہر کر دیتا جو مجھے کبھی منظور نہیں۔ تم عزت ہو میری میں نہیں چاہوں گا کہ تمہارے پیچھے کوئی تمہارا ذکر اچھے یا برے انداز میں کرے۔ خواہ کوئی تمہیں مجھ سے منسوب کرے۔ اسی باعث میں انجان بن گیا اور کاشف کو اک ٹاپک نہ ملا۔ تم سوچ رہی ہو گی کہ شادی

کے بعد تو تم میرے دوستوں کو لیگزز سے ملوگی تب بھی تو وہ تمہارے میں رائے زنی کریں گے۔ بے شک زباں پہ تالے نہیں ڈالے جا سکتے۔ لیکن تب تم ان کے لیے قابل احترام ہو گی۔ ابھی تم میری محبوبہ ہو اس وقت نصف بہتر ہو گی اور جو کوئی میری نصف بہتر کا احترام نہیں کرے گا اسے مجھ سے ہر تعلق توڑنا ہو گا۔ آج ہم دونوں کے مابین کوئی باضابطہ رشتہ نہیں ہے۔ میرا تم پہ کوئی استحقاق بھی نہیں ہے۔ جبکہ کل تمہارے نام کے آگے میرا نام ہو گا۔ تم میرین عثمان سے میرین ابراہیم بن جاؤ گی۔ تب سرراہ کیا میں ہر جگہ دھڑلے سے تمہارا ہاتھ تھامے لوگوں سے تمہارا تعارف کراؤں گا۔ ابھی تمہیں متعارف کروا کر تمہاری انمول ذات کو لوگوں کی دل لگی کا سامان نہیں بنا سکتا۔ تم صرف میری ہو پبلک پراپرٹی نہیں کہ لوگ گلی کوچوں میں تمہارا ذکر کریں۔" بنا کسی استفسار کے وہ کہتا چلا گیا۔ پہلے تو اس کی بات کا مطلب ہی سمجھ میں نہ آیا۔ پھر لفظ لفظ دل میں اترتا چلا گیا۔ اس حد تک "اس انداز میں کیا کوئی سوچ سکتا ہے؟ ابراہیم جیسا مرد بھی ایسا سوچ سکتا تھا۔ ایسے کتنے ہی مرد اس کے آبزرویشن میں تھے جو اپنی محبوبہ، منگیتر کا ذکر دوستوں میں کرتے تھے۔ ان سے باقاعدہ ملاقات کرواتے ہیں یہ سوچے بنا کہ ہے تو مرد ذات شاید کہ اس کی نیت بدل جائے۔ زبان سے بھابھی کہنے والا دوست ہو سکتا ہے دل میں گندے خیالات رکھتا ہو، دوست دوست کے سامنے بظاہر تعریف کر کے اپنی ناآسودہ خواہش کی تسکین کرتا ہو، ابراہیم اس کی نظروں میں مزید بلند ہو گیا۔ اس کی پرسنالٹی کا یہ اچھوتا روپ اس کے لیے نیا تھا۔ "اعتبار ہے مجھ پہ؟" چہرے پہ جھولتی لٹ کو کھینچ کر سوال کیا۔
اس نے ہولے سے سر اثبات میں ہلایا "پھر ان کلیوں کو سمیٹو اور مجھے پیش کرتے ہوئے مبارکباد دو۔ اس کے بعد ہم دونوں مل کر اس کمرے کی حالت سنواریں گے۔ لیکن ان سب سے پہلے ایک بات کا جواب دو۔"
"پوچھو۔"
"تمہیں جب کبھی مجھ پہ غصہ آئے گا تو یونہی ہمارے بیڈ روم کا نقشہ بدل دو گی؟" وہ شریر لہجے میں گویا تھا۔ خفت سے اس نے کارنر پہ پڑا تکیہ دے مارا۔
"کہتے ہیں شدید غصہ شدید محبت کو ظاہر کرتا ہے تمہارا کیا خیال ہے؟" اس کے ساتھ مل کر بیڈ روم ٹھیک کرتے وہ اسے مسلسل چھیڑ رہا تھا۔

✲ ✲ ✲

مما کے بے حد اصرار پہ وہ یہ پارٹی اٹینڈ کر رہی تھی۔ وہ آ تو گئی تھی مگر جیولری، کپڑوں کی نمائش، مصنوعی قہقہے میک اپ زدہ چہرے ماحول میں رچی بسی بے باکی سے جلد ہی اوب گئی۔ کئی ایک نے اس سے ربط بڑھانے کی کوشش کی اور اس کی رکھائی نے انہیں پیچھے ہٹنے پہ مجبور کر دیا۔ اعلیٰ درجے کی بوریت تھی۔ وہ گھر جانے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ تبھی راعمیس رضا چند لوگوں کے ساتھ بیٹھا نظر آیا۔ پچھلے واقعے پہ اس نے سوری کر لیا تھا۔ اب بھی وہ یہی سوچ کر اس کی طرف بڑھی کہ اتنے انجانوں میں کوئی تو آشنا نظر آیا۔ ان کی میز کے سامنے پودوں کے بڑے بڑے گملے رکھے تھے۔ انہیں کراس کرتے اس کے قدم ٹھٹک گئے۔ راعمیس رضا کے ہاتھ میں ڈرنک کے گلاس نے اس کے قدم ساکت کر دیے۔ چین اسموکر تو وہ پہلے ہی تھا اب ڈرنک بھی کرنے لگا تھا۔ تاسف بھری نظریں ڈال کر اس نے قدموں کو موڑنا چاہا۔ کہ آواز پر رک گئی۔
"میری والا معاملہ کہاں تک پہنچا؟" ایک نظر میں اس نے دیکھ لیا تھا کہ راعمیس کا فرسٹ کزن شرجیل بھی وہاں براجمان ہے۔ شرجیل اوباش لوگوں میں سرفہرست تھا سو اس کی کبھی ہیلو ہائے بھی نہ رہی تھی۔ اب اسی شرجیل کے منہ سے بے تکلفی سے اپنا نام سن کر تحیر میں مبتلا ہو گئی۔
"وہیں اٹکا ہوا ہے۔" راعمیس کی بیزار آواز سنائی دی۔
"ایک عرصے سے خوار ہو تم اس کے پیچھے۔ میری مانو لعنت بھیجو اس پہ۔" گفتگو کا انداز ظاہر کر رہا تھا وہ

عموماً" اس کی ذات کو ڈسکس کرتے رہتے ہیں۔
"کیسے لعنت بھیجوں یار؟ دنیا میں کتنی ہی حسین لڑکیاں ہیں۔ کتنی پہیلیوں کو بوجھ چکا ہوں مگر نجانے میرین عثمان میں کیا ہے کہ ہر بار بے عزتی کروا کر سوری بھی کر لیتا ہوں۔ وہ اوروں سے مختلف ہے۔ جب میرے ذرا سا بھٹکنے پر کھری کھری سناتی ہے بار بار دوپٹہ درست کرتی ہے تو لوٹ لیتا ہے اس کا یہ انداز۔ کھلی ڈلی لڑکیوں سے تو ہمیشہ تعلق رہا ہے۔ اس کا انداز ان سے جدا ہے۔ میں نے ماما سے بات کر لی ہے جلد ہی وہ تمہاری بھابھی بن جائے گی۔ ایسے تو کبھی انگلی بھی چھونے نہیں دے گی۔ بس ایک بار اس پہیلی کا سراغ پا جاؤں پھر اپنی ہر بے عزتی کا بدلہ سود سمیت لوں گا۔ خوب جلاؤں گا ستاؤں گا۔ کال گرلز کے سامنے بتاؤں گا کہ لڑکی حاصل کرنا راعمیس رضا کے لیے کبھی دشوار نہیں رہا۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے میری ماں جائے گی؟" شرجیل نے سوال اٹھایا۔

"آسانی سے نہیں مانے گی اس کا تو احساس ہے مجھے۔ وہ ایسی شئے ہے کہ اس کے لیے کچھ بھی کیا جا سکتا ہے۔ کبھی کبھی دل چاہتا ہے اسے ڈرنک میں گھول کر پی لوں۔" مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے ایک ہی گھونٹ میں گلاس خالی کر دیا میرین عثمان کی رگوں میں ان دونوں کے لیے نفرت دوڑ رہی تھی۔ ان کے لبوں سے نکلتے لفظ ظاہر کر رہے تھے کہ ان کا ذہن کتنی پستی میں رہتا ہے۔ یوں بیٹھے وہ ایک عورت کو ڈسکس کر رہے تھے۔ یہ سوچے بنا کہ اسی صنف سے ان کی ماں، بہن بھی تعلق رکھتی ہے۔ جب ماں اور بہن کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے تو مرد کا خون کھول اٹھتا ہے وہ لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ مرد یہ کیوں نہیں سوچتا وہ جس کے لیے برے خیالات رکھتا ہے۔ فقرے کستا ہے وہ بھی تو کسی کی بہن ہے مگر مرد صرف اپنی ماں، بہن، بیٹی کی عزت کرتا ہے۔ وہ رشتوں کی عزت کرتا ہے۔ عورت کی نہیں۔ اصل میں مرد وہی ہے جو رشتوں کی نہیں عورت کی عزت کرے۔ وہ مرد قابل ستائش ہے جبکہ راعمیس رضا جیسے لوگوں کی اہمیت گندے جوہڑ جتنی ہے جن کی سوچوں، باتوں، کردار سے تعفن اٹھتا رہتا ہے۔ انسان کیچڑ میں گرے یا کیچڑ انسان پہ، ہر حالت میں داغ دار انسان ہی ہوتا ہے۔ ان کے منہ لگ کر وہ اپنے دامن پہ کوئی داغ نہیں لگانا چاہتی تھی۔ سو خاموشی سے لوٹ آئی۔ ہاں وہ دکھ سے یہ ضرور سوچتی رہی تھی "کیا لمحہ حیات میں وہ دن دیکھنا نصیب ہو گا جب مردوں کی باتوں میں عورت کے لیے عزت و تکریم ہو گی؟"

✲ ✲ ✲

اس کے فائنل سمسٹر شروع ہو چکے تھے۔ پریکٹیکلز سے جان چھوٹی تو تھیوری کی باری آ گئی۔ آج کل وہ بے حد معروف تھی۔ پھپھو کی طرف گئے بھی مہینہ ہونے کو آیا تھا۔ اس وقت صبح کے چار بج رہے تھے۔ دماغ تھک گیا تھا تو وہ کتابیں پرے کر کے نیم دراز ہو گئی۔ پلکیں موندتے ہی ابراہیم آنکھ کی پتلیوں میں سما گیا۔ اسی اثنا میں موبائل سیل کی بیپ ہوئی۔

"ابراہیم! نام فرشتوں والا ہے مگر تمہاری صفت شیطانوں سے کم نہیں ابھی میں تمہیں ہی کال کرنے کو سوچ رہی تھی۔" مسکراتے ہوئے بے ساختہ گفتگو کا آغاز کیا۔

"پھر عمل درآمد کیوں نہ کیا؟"

"جاب والے بندے ہو، صبح اٹھنا بھی ہوتا ہے۔ بس یہ ہی سوچ کر رہ گئی۔ تم سوئے نہیں؟"

"تم نے دل سے پکارا تھا سو آنکھ کھل گئی۔ خود کو ہر طرح سے بہلا کر دیکھ لیا چین کسی طور نہ آیا تو انگلیاں جانا پہچانا نمبر ڈائل کر بیٹھیں۔ ادھر تم نے جادو کیا ادھر میں آن لائن ہوں۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"سوچ لو ہمیشہ اپنے بس میں رکھوں گی۔ میرے جادو کا کوئی توڑ نہیں ہے۔" وہ مغرور ہوئی۔

"مگر میں کہوں کہ میں اس جادوگری کے سحر سے نکلنا ہی نہیں چاہتا تو۔۔۔؟"

"باتیں بنانی خوب آتی ہیں۔"

"تمہاری صحبت کا اثر ہے۔ کیونکہ آپ سے مل کر ہی تو ہم بدلے ہیں۔ غزل کو دیکھا تو شعر پڑھنے لگے، گنگنانے لگے۔ تمام رنگوں سے آشنا تو تم نے ہی کیا ہے۔ تمہاری سحر انگیز آنکھوں نے ہی تو منکشف کیا کہ زندگی کتنی حسین ہے۔ محبت کتنی خوب صورت شے ہے۔ جو ہر دم دل سے چپکی دھڑکنوں کی تال پہ رقص کرتی ہے۔ ہجوم دنیا سے گھبرا کر جب بھی دل کے اندر جھانکتا ہوں وہاں بسی تمہاری صورت دیکھ کر پھر سے تازہ دم ہو جاتا ہوں۔ جب بھی بساط زندگی پہ ڈگمگاتا ہوں تمہیں پانے کا احساس نئی روح بھر دیتا ہے۔ پھر کچھ بھی مشکل نہیں لگتا۔ تمام ناممکن، ممکن بن جاتے ہیں۔ محبت میں مقناطیس سے کہیں زیادہ طاقت ہے۔ محبت کے سامنے آتے ہی ہر چیز مقناطیس کی طرح محب سے چمٹ جاتی ہے۔ جی چاہتا ہے دو چار محبت اور کر لوں۔" وہ انہماک سے اس کی معطر گفتگو سن رہی تھی۔ آخری جملے پہ کھول گئی۔

"جان سے ماردوں گی اگر کسی کی طرف دیکھا بھی تو۔" اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"یار اسلام میں چار جائز ہیں۔" مزید چڑایا۔

"ویسے تو حدیث اور اسلام تم مردوں کو یاد نہیں آتا لیکن جہاں شادی کی بات ہو تو چار جائز ہیں۔ خوب یاد آجاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال پیش کرتے ہو۔ یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ انہوں نے بے سہارا اور بیواؤں، مطلقہ سے عقد ثانی کیا تھا۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کوئی زوجہ کنواری نہیں تھیں۔ ان بے سہارا عورتوں کو سہارا دینے کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد ثانی کیا۔ جبکہ آج کے مردوں کو تو کئی کئی بیویاں رکھنے کا شوق ہے۔ میرا خیال ہے کچھ عرصے بعد ایک سے زائد بیویاں رکھنے کا فیشن وجود میں آجائے گا بھلے بیویوں میں عدل ہو یا نہ ہو۔" وہ تلخ لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "ویسے کتنے ہی مرد ہمارے معاشرے میں پائے جاتے ہیں جو ایک بیوی پہ اکتفا نہیں کرتے۔ کبھی وارث کا بہانہ ہوتا ہے۔ کہیں معاشرے اور لوگوں کا ڈر ہو تو اپنی ہوس غلط کام کر کے مثالیں لیتے ہیں۔" اس کا حرف حرف سچائی پہ مبنی تھی۔ اس نے جھٹلانے کی کوشش نہ کی۔

"کہیں مستقبل میں، حقوق نسواں کے لیے کوئی آرگنائزیشن بنانے کا ارادہ تو نہیں؟" اسے تنگ کرنے کو چھیڑنے لگا۔

"بتاؤں گی اگر تم نے چار کا خیال دل سے نہ نکالا تو۔"

"تمہیں دل سے کیسے نکال سکتا ہوں۔ یار امیرا پلان ہے میں بیک وقت تم سے چار بار نکاح کروں۔ ہماری شادی تھوڑی یونیک ہو نا؟ میں تمہیں پکی، پکی، پکی، پکی والی بیوی بناؤں گا۔" پکی پہ چاروں بار زور رہا۔

"تو باقی سب کی "کچی بیوی" ہوتی ہیں ابراہیم تم جان سے جاؤ گے میرے ہاتھوں۔"

"تم جب میرا نام لیتی ہو تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ لیکن ایک بات ازبر کرادوں بعد میں بھی تم مجھے میرے نام سے بلانا "منے کے ابا" کہہ کر بلایا تو بہت لڑائی کروں گا تم سے۔" وہ لب دبائے متبسم تھا۔ اس نے جھنجلا کر فون رکھ دیا۔

✡ ✡ ✡

آخری پیپر دے کر پھپھو کے گھر چلی آئی۔ پھوپھا جان اور ابراہیم آفس سے نہیں لوٹے تھے۔ گھر میں سارا اور پھپھو تھیں۔ تینوں نے ساتھ ہی دوپہر کا کھانا کھایا اور کافی دیر ادھر ادھر کی باتیں کی تھیں پھپھو کو دن میں سونے کی عادت تھی سو قیلولہ فرما رہی تھیں۔ سلائی مشین نکالے سارا اپنا سوٹ سی رہی تھی۔ وہ اس کے آگے بیٹھی باتیں بگھار رہی تھی۔ سارا نے گریجویشن کیا تھا۔ آگے پڑھنے کا موڈ نہ ہوا تو لمبی چنگ کرلی۔ آج ویک اینڈ تھا سو اس کا آف تھا۔ دروازے پہ ہارن کی آواز آئی۔ اس کی چلتی زبان رک گئی۔ سارا نے مسکرا کر دیکھا۔

"جاؤ دروازہ کھول دو بھائی آئے ہیں۔ تمہیں دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔" اس نے اس کی شوخی پہ ایک مکا اس کے شانے پہ دے مارا۔ پھر سرعت سے

اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی واپسی کا اک اک لمحہ شمار کیا تھا۔ بے شک سمارا سے محو گفتگو تھی مگر سماعت مخصوص صدا کی پیاسی تھی۔ نگاہیں گوہر مقصود کی متلاشی تھیں۔ اب جب محبوب و مقصود آچکا تھا تو دھڑکنیں سینے میں زور زور سے دستک دے رہی تھیں۔ بڑا گیٹ کھول کر وہ سرعت سے پٹ کی آڑ میں ہو گئی۔ وہ زن سے گاڑی پورٹیکو میں لے آیا۔ اگنیشن سے کی چین نکال کر ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ دی۔ وہ گیٹ بند کر کے گاڑی تک آئی۔ بلیو پینٹ وائٹ شرٹ پہنے بلیو لائننگ والی ٹائی باندھے منتشر سے بالوں میں خاصا ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اس کے تھکے چہرے کو دیکھا۔

"اسلام علیکم۔" بڑا زوردار سلام تھا۔ دائیں بازو پہ بلیو کوٹ ڈالے گاڑی لاک کرتے اس کے ہاتھ ٹھٹکے۔ نظریں بلیو سوٹ میں ملبوس میرین عثمان کی سحر انگیز پرسنالٹی پہ اٹھیں اور یہاں سے وہاں تک روشنی بکھر گئی۔

"زندگی! تم یہاں؟" براہیم حیرانگی سے بولا۔

"حیرانی کیوں میں تو اکثر ہی آتی رہتی ہوں؟"

"آج تو تمہارا لاسٹ پیپر تھا۔"

"دے کر سیدھی یہیں آئی ہوں۔" ہاتھ بڑھا کر اس کے بازو سے کوٹ اٹھا لیا۔ اس نے دلچسپی سے اس عمل کو دیکھا۔ خاصا استحقاق بھرا انداز تھا۔

"کیسا ہوا پیپر؟" اب وہ اندر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"زبردست۔"

وہ فریش ہونے چلا گیا۔ سمارا نے اس کے ذمہ لگا دیا کہ وہ اسے کھانا گرم کر کے دے۔ وہ آفس میں لنچ برائے نام کرتا تھا۔ گھر آ کر ہی کھاتا تھا۔ سمارا کے آرڈر پہ وہ اسے گھورتی رہی تھی۔

"چانس دینے والی نند ملی ہے اور لوگوں کے تیور ہی نہیں مل رہے۔" اس کی شوخی سے گھبرا کر اس نے کچن کو رونق بخشی۔ بڑے سے کچن کے ایک کارنر پہ چھوٹی سی میز رکھی تھی جس کی چار کرسیاں تھیں۔ کھانا گرم کر کے میز پہ لگایا تو وہ شاور لے کر آچکا تھا۔ گرے جینز پہ وائٹ کرتے کی آستین کہنیوں تک کیے میرین عثمان کی دھڑکنوں کو منتشر کر رہا تھا۔ فریج سے پانی کی بوتل نکال کر لائی تو وہ ایک چیئر پہ بیٹھ چکا تھا۔

"پریکٹس پر ہو؟" سوال ذو معنی تھا۔

"ہاں۔" گلاس میں پانی انڈیلتے مسکرا کر جواب دیا۔

"تم بھی آجاؤ۔"

"میں لنچ کر چکی ہوں۔" کیٹل کو کنگ رینج پہ رکھتے مطلع کیا۔

"میرے ساتھ نہیں کیا ہے۔" وہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا تھا۔ ناچار اسے بھی ساتھ دینا پڑا۔ پھوپھا جان آگئے تو سب نے ساتھ چائے پی۔ سمارا کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ پھوپھا جان نے بات شروع کی کہ سمارا کے لیے ان کے دوست نے اپنے بیٹے کی بات کی ہے۔ نوید پی ٹی سی ایل میں جاب کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ خوش خلق اور سلجھا ہوا بندہ تھا۔ پھپھو اور ابراہیم کو بھی پرپوزل پسند آیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر کچن میں سمارا کو چھیڑتی رہی تھی اور وہ روایتی نندوں کی طرح اسے برا بھلا کہہ رہی تھی۔ پھوپھا جان کسی دوست کی طرف چل دیے تھے۔ پھپھو نماز عشاء ادا کرنے اٹھی تھیں۔ سمارا خود ہی انہیں تنہائی فراہم کر گئی۔ اب کامن روم میں صرف وہ دونوں تھے۔ کشن پہ نیم دراز ابراہیم نے اسے بغور دیکھا۔ وہ بڑی رغبت سے کینو چھیل کر ان کی پھانکیں پلیٹ میں رکھ رہی تھی۔ زبان مسلسل سمارا کے لیے آئے پرپوزل پہ چل رہی تھی۔

"میری!" پکار بڑی پرسوچ تھی۔ اس نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا جس کے چہرے پہ سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔ چند ثانیے خاموشی سے اسے تکتی رہی۔ وہ کسی قدر تذبذب کا شکار نظر آرہا تھا۔

"کیا ہوا؟" نرمی سے استفسار کیا۔

"تم سے اظہار سے پہلے اماں، ابا، سمارا سب ہی جانتے تھے کہ تم میرے لیے کیا ہو۔ کئی ایک بار دبے لفظوں

میں اماں نے مجھے سمجھانے کی کوشش بھی کی۔ تم ان کے عزیز بھائی کی عزیز بیٹی ہو۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ تم دکھوں کا سودا کرو۔ میں بیٹا ہوں مگر اماں ہر بار مجھے کہتی تھیں میری کو دکھوں کے حوالے مت کرنا۔ میں نے کتنی ہی کوشش کی تھی تمہیں بھلانے کی مگر تم میرے خیالوں سے نہ جا سکیں۔ تب میں نے اماں کو کہہ دیا تھا چاہے ماں کو منانے کے لیے مجھے ان کے پیر ہی کیوں نہ پکڑنے پڑیں میں پکڑ لوں گا۔ مگر تمہیں اپناؤں گا ضرور میں نے طے کیا تھا سمارا کی شادی کے بعد خود کو تم پہ آشکار کروں گا۔ مگر محبت پلاننگ پہ کب چلتی ہے۔ اب جب تم فری ہو گئی ہو۔ سمارا کے لیے بھی اچھا پرپوزل آگیا ہے تو میں چاہوں گا اماں تمہیں میرے لیے مانگ لیں۔" بوجھل پلکیں اٹھا کر اس نے ابراہیم کو دیکھا وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"میں جانتا ہوں ماں آسانی سے نہیں مانیں گی۔ میں یہ نہیں کہتا تم مجھ سے سول میرج کر لو کیونکہ ایسا کرنے میں میرے پیار کی بے عزتی ہے۔ میں تمہیں پورے کروفر سے اپنانا چاہتا ہوں۔ اب تک محبت کی شاہراہ پہ ہم خوش باش چلے۔ لیکن ہو سکتا ہے آنے والے کل میں ہمیں کرائسس کا سامنا ہو۔ میں تمہیں کوئی اسٹینڈ لینے کو نہیں کہوں گا۔ جو کچھ کرنا ہے میں کروں گا۔ میں بس اتنا جاننا چاہتا ہوں اگر کبھی زندگی میں کسی کی نصف بہتر بننے کے لیے ایجاب و قبول کے لیے ہاں کہو گی تو وہ شخص کون ہو گا؟"

"صرف تم اور کوئی نہیں۔" لہجہ اتنا ہی اٹل اور دو ٹوک تھا۔ وہ پل بھر میں شانت ہو گیا۔ "سوچ لو۔" وہ شوخ ہوا۔

"سب سوچ لیا ہے۔"

✲ ✲ ✲

نوید کو بر دکھوے کے لیے بلایا گیا تھا۔ پھپھو نے بابا اور مما کو بطور خاص بلایا تاکہ وہ نوید سے مل لیں۔ مما نے آنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ جبکہ بابا آئے تھے۔ انہیں نوید سمارا کے لیے ہر لحاظ سے اچھا لگا تھا۔ اگلی بار نوید کی فیملی سادگی سے سمارا کی انگلی میں رنگ ڈال گئی۔ ساتھ ہی تاریخ بھی طے کر گئیں۔ تیاری کرتے تین ماہ تین پل کی طرح بیت گئے۔ میرین عثمان نے ڈیڑھ ماہ سے یہیں ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔ وہ تیاریوں میں پیش پیش تھی۔ مما نے سرزنش کی تھی مگر اسے بابا کی سپورٹ حاصل تھی۔ ابٹن، حنا اور پھر بارات کا دن بھی آگیا۔ وقت رخصت سب ہی آبدیدہ تھے بالآخر سمارا رخصت ہوئی اور آخر میں گھر کے فرد رہ گئے۔ دنیا دکھاوے کو مما نے شادی میں شرکت کی۔ جبکہ بابا نے ماموں ہونے کا فرض نبھایا تھا۔ پھوپھا جان اور ابراہیم کے منع کرنے کے باوجود بہت کچھ دیا تھا۔ پھپھو کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ میرین نے انہیں میڈیسن دے کر سلایا۔ اپنے لیے چائے بنانے کے خیال سے کچن میں آئی تو ابراہیم کوکنگ رینج کے پاس کھڑا نظر آیا۔

"کچھ چاہیے؟" چینج کر کے اس نے گھرے آرام دہ شلوار سوٹ پہن لیا تھا۔ شرٹ کے اوپری دو بٹنز کھلے تھے۔ کف کے بٹنز بھی بند کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اس لاپرواہی میں بھی بلا کی کشش تھی۔

"چائے کی طلب ہو رہی تھی۔" تھکن اور دکھ سے آواز بھاری ہو رہی تھی۔

"ہٹو میں بنا دیتی ہوں۔" بکھرے بالوں کو لپیٹ کر کیچر میں جکڑتے برنر کھولنے لگی۔ ماچس کی تیلی سے وہ شعلے پہ نادیدہ لکیریں کھینچ رہا تھا۔

کھولتے پانی میں پتی ڈالتے اس نے ابراہیم کی سرخ آنکھوں کو دیکھا۔ تھوڑی دیر پہلے سمارا کا سر تھپکتے اسے رونے پہ سرزنش کر رہا تھا۔ پھوپھو پھوپھا جان کو بہلا رہا تھا اور اب خود کی آنکھیں ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں۔ چائے کا مگ میز پہ رکھتے اس کے ساتھ والی چیئر پہ بیٹھ گئی۔ اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر اسے کہا۔

"تم رو لو ابراہیم؟" وہ اپنے ہاتھ میں اس کا ہاتھ بھینچ گیا تھا۔ اظہار تشکر کا اور کوئی ذریعہ اس کے پاس نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

"میری تم نے کمرہ چیک کر لیا نا بیٹا؟" ولیمے میں جانے کو گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا۔ جبکہ پھپھو کو سارا کے کمرے کی پڑی تھی۔ ان کے رواج کے مطابق ولیمے میں دلہن کے ساتھ دولہا بھی آتا تھا۔ پھپھو پریشان ہو رہی تھیں کہ نوید کو کچھ گراں نہ گزرے سسرال میں اس کی پہلی رات جو ہوتی۔

"پھپھو میں نے سب کچھ اپنے ہاتھوں سے کیا ہے آپ بے فکر رہیں۔" پھپھو نے مشکور نظروں سے سنوری ہوئی میرین عثمان کو دیکھا۔ وہ نہ ہوتی تو وہ ایک دم بوکھلا جاتیں۔ پھر بے ساختہ ــــ اسے پیار کرنے لگیں۔ وہ جھینپ گئی۔

"ماشاء اللہ بڑی اچھی لگ رہی ہو۔" انہوں نے بے ساختہ پیشانی چوم لی۔

"دن رات دعا کرتی ہوں کہ یہ چاند سدا میرے آنگن میں روشنی بکھیرے۔" وہ سٹپٹا گئی۔

"اماں! آپ کہاں ہیں ابا آپ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ گاڑی بھی چلنے کو تیار ہے۔" ابراہیم بھی وہیں آ گیا۔ صبح سارا آئی تھی اور اسے خوش دیکھ کر ابراہیم شانت ہو گیا تھا۔ پھپھو پیغام ملتے ہی چل دیں اب میرین عثمان پہ اٹھی اس کی ساگر آنکھوں نے پلکیں جھپکنے سے انکار کر دیا۔ وہ کب سے اسے ہی ڈھونڈ رہا تھا جو نجانے کون کون سے بکھیڑے نبٹا رہی تھی۔ اب سامنے آئی بھی تو کس روپ میں کہ وہ خود کو بھولنے لگا۔

اب وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے تھے۔ بلیک سوٹ میں ابراہیم غضب ڈھا رہا تھا تو شاکنگ پنک لہنگے سوٹ میں بڑا سا دوپٹہ اسٹائل سے سیٹ کیے کھلے بالوں میں سنوری ہوئی وہ دیکھنے والوں کے ہوش اڑا رہی تھی۔ ابراہیم کی نظروں کی تپش نے اسے پلکیں جھکانے پہ مجبور کر دیا۔ وہ دو قدم آگے آیا۔ شہادت کی انگلی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ وہ جیسے بہت مشکل صورتحال میں پھنس گئی تھی۔ ہاتھ اٹھا کر اس کی انگلی ہٹانا چاہی مگر وہ اس کا ہاتھ تھام چکا تھا۔ نگاہوں کے تصادم پہ گویا ہوا۔

"ان ہتھیاروں کا سہارا لے کر مزید ستم ڈھانے کا سامان کیوں کرتی ہو تم؟" آنچ دیتی سرگوشی تھی۔

"میں تو پہلے ہی فدا ہوں تم پہ۔ مزید کیا چاہتی ہو، جان سے چلا جاؤں....."

"پلیز ابراہیم۔" وہ اس کی نظروں اور باتوں سے گھبرا رہی تھی۔ اس کے شرمگیں چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

"آگ لگا کر چاہتی ہو دھواں نہ اٹھے۔"

"اب اگر کوئی ڈائیلاگز جھاڑا تو میں کچھ دے ماروں گی۔" اس نے خفت سے دھمکی دی۔

"ڈائیلاگز پہ اعتراض ہے تو عملی کارروائی کروں؟"

"دفع ہو جاؤ تم۔" بلش ہو کر وہ رخ موڑ گئی۔ ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی ہو کر ایئررنگز ٹھیک کرنے لگی "دنیا جہان کی لڑکیوں کے "وہ" گجرے لائے ہیں اور ایک تم ماہا کنجوس ڈائیلاگز جھاڑنے کو ہر وقت تیار رہتے ہو۔ لفظوں کی فیکٹری جو لگا رکھی ہے اپنی یہ نہیں ہوا کہ چند روپوں کے گجرے ہی خرید لاؤ۔" نفی میں سر ہلاتے مسکراتے ہوئے ابراہیم نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر بایاں ہاتھ سامنے کیا جس میں گجرے اور کنگن تھے۔

"تمہیں دینے کو کب سے ڈھونڈ رہا تھا۔" وہ حیران رہ گئی ــــ شاکنگ پنک نیم لبوں کو مسکراتی نظروں سے دیکھتے کلائی میں کنگن ڈال رہا تھا۔

"ہاں تو کیا کہہ رہی تھیں تم۔" کلائیوں میں کنگن پہنا کر شاکنگ پنک چوڑیوں سے سجی کلائی تھام کر استفسار کیا۔ اس نے نظریں ساگر آنکھوں میں ڈالیں جو شوخ ہو رہی تھیں۔

"فراڈ، چھچھورے۔" مسکرا کر بالوں میں گجرے لگانے لگی۔

☼ ☼ ☼

بارہ بجنے پر گھڑی نے سناٹے میں ارتعاش بپا کیا تو اگلے ہی پل ابراہیم کی کال آ گئی۔ آج میرین عثمان کا جنم

دن تھا اور وہ اس سے گویا تھا۔

"تمہیں گفٹ کیا کروں کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ تم بتاؤ تمہیں کیا چاہیے؟"

"جو مانگوں گی وہ دو گے؟"

"بالکل۔"

"سوچ لو۔" اک لحظے کو خاموشی رہی پھر وہ گویا ہوا۔

"سوچ لیا، کیا چاہیے تمہیں؟"

"مما کے باعث تم گھر نہیں آتے۔ مما کا رویہ تمہارے ساتھ اچھا نہیں ہوتا سو میں خود چاہتی رہی ہوں کہ تم نہ آؤ۔ تمہارے گھر ہماری اکثر ملاقات ہوتی ہے۔ گھنٹوں ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں۔ لیکن آج اس اسپیشل ڈے پر میں ہر اس مقام پہ تمہارے ساتھ جانا چاہتی ہوں جہاں میرا دل کہتا ہے۔ کیا تم چند گھنٹے دے سکو گے مجھے؟" دوسری طرف خاموشی تھی۔

"میں جانتی ہوں ابراہیم یوں باہر ملنا تمہارے اصولوں کے خلاف ہے۔ مگر آج ان اصولوں میں تھوڑی سی ترمیم کرلو۔ میرے لیے پلیز۔"

"اوکے۔" وہ مان گیا۔

"تم اتنی آسانی سے مان جاؤ گے، مجھے امید نہیں تھی۔" وہ بری طرح خوش ہوئی۔

"اس انداز میں جان سے جانے کو بولو گی تو ابراہیم وہ بھی کر گزرے گا۔"

"مجھے یقین نہیں۔" اس نے چڑایا۔

"ماں جلد ہی تمہیں مانگنے آرہی ہیں۔ دعا کرو خوشیوں کا لمحہ جلد آئے پھر سارے یقین تمہاری دھڑکنوں سے باندھ دوں گا۔" بلاشبہ وہ لفظوں کا کھلاڑی تھا۔

اب کتنی ہی دیر سے وہ ایک دوسرے کے سنگ تھے۔ آئس کریم، فالودہ، پاپ کارن کتنی ہی چیزوں کو شیئر کرتے انجوائے کیا تھا۔ اب وہ ساحل کے کنارے بیٹھے تھے۔ پورا چاند سمندر کے سینے پہ جھلملا رہا تھا۔ باتوں باتوں میں راعمص کا ذکر آگیا تو اس نے کہا۔

"مجھے راعمص کی گیدرنگ اچھی نہیں لگتی۔"

"وہ شخص خود کب اچھا ہے۔" اس دن پارٹی والا واقعہ یاد آیا تو وہ کھول گئی۔

"مما کا چہیتا بھتیجا ہے مجھے تو ماموں، راعمص کے ساتھ پوری ننھیال ہی کرپٹ لگتی ہے۔ صبح آئے تھے ماموں، برتھ ڈے پریزنٹ میں نئے ماڈل کی آلٹو لے کر۔ راعمص رضا گاڑی کی خصوصیت اور قیمت ہی بتاتا رہا میں چابی لیے بنا ہی اٹھ گئی۔ ایسے نودولتے لوگوں سے کوفت ہوتی ہے مجھے۔ بات، بات میں روپوں کا تذکرہ اوچھاپن لگتا ہے۔ معاشیات ہماری ضروریات زندگی کو بیلنس کرتی ہے مگر اس کو اوڑھنا، بچھونا بنانا سراسر چھچھورپن کو ظاہر کرتا ہے۔ ماموں اور ان کا بیٹا ہر چیز روپوں میں تولنے کے عادی ہیں۔ فلاں چیز اتنے روپوں میں خریدی فلاں کو اتنے روپے ڈونیٹ کیے۔ فلاں جگہ اتنے روپے خرچ کیے۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں نا جن کا تکیہ کلام روپے ہوتا ہے، میری ننھیال میں اسی قسم کے لوگ بستے ہیں۔ ابھی تمہاری جگہ راعمص رضا ہوتا خدانخواستہ تو دس بار مجھے کیلکولیٹ کروا رہا ہوتا اتنے روپے کی آئس کریم خریدی، اتنے روپوں میں فالودہ لیا۔ اتنے روپوں میں پاپ کورن کھایا۔ ٹھیک ہے اپنی خوشی کے لیے ہر بندہ روپیہ خرچ کرتا ہے مگر یہ دکھاوا ظاہر کرتا ہے کہ آپ روپوں کے پجاری ہیں۔ نمائش پرست انسان ہیں۔" وہ برے برے منہ بناتے گویا تھی اور ابراہیم محظوظ ہوتے ہوئے اسے سن رہا تھا۔

"نئے ماڈل کی آلٹو تم نے ناحق قبول نہ کی۔ اتنا مہنگا گفٹ کون دیتا ہے بھلا؟" اس نے چھیڑا۔

"گفٹ دے کر ماموں سود وصول کرنے کے چکروں میں ہیں۔"

"یو مین راعمص...؟" اس نے استعجاب سے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"او نو! یعنی کہ میرا مقابل حریف خاصا امیر کبیر ہے۔ کہیں تمہارا ووٹ اس کی طرف تو نہیں؟" اس کے گھورنے پر اس نے جھٹ کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"تم سے ایک بات شیئر کروں؟" مسکراتے ہوئے اجازت چاہی۔

"خوش نصیب گردانوں گا خود کو۔"

"میری دلی خواہش تھی جب تم اظہار کرو تو میرے لیے پھول کے بجائے موتیا کے گہنے لاؤ۔ گہنے پہناتے ہوئے اظہار کرو، اور کیا خوب ہو اگر اس دن ویلنٹائن ڈے ہو۔ مگر تم... تم نے میری سوچ پہ پانی پھیر دیا۔" وہ دلچسپی سے سن رہا تھا۔ یہ تھوڑی سی 'پگلی' تھوڑی سی سیانی لڑکی زندگی بن بیٹھی تھی۔ آئینہ جیسا دل تھا اس کا۔

"تمہیں یقین تھا کہ میں بھی اسیر محبت ہوں؟" شوخی سے سوال ہوا وہ چڑ گئی۔

"نہیں میں اندھی تھی جو تمہاری آنکھوں کے رنگ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ تم جب بھی مجھے دیکھتے تھے تمہاری آنکھیں چمکنے لگتی تھیں۔" اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ "تم میری آنکھوں کو ہی دیکھتی رہتی تھیں؟" اس نے مزہ لیا۔

"ہوں کیونکہ تمہاری آنکھیں تم سے زیادہ خوب صورت ہیں۔ اب اٹھو کافی دیر ہو گئی۔" بلیک جینز کے پائنچے کھولتے وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

☼ ☼ ☼

ابھی وہ آدھے راستے میں تھے جب میرین کے سیل پہ اس کی دوست کی کال آئی۔ کال سنتے وہ ٹینس ہو گئی تھی۔

"الوری تھنگ از اوکے؟" اس کے متفکر چہرے پہ اس نے نظریں جمائیں۔

"میری دوست ہما کا فون تھا۔ کچھ بتایا نہیں اس نے بس رو رہی ہے۔ ابھی گھر آنے پہ اصرار کیا ہے۔ تم رائٹ سائیڈ لو گاڑی۔" ابراہیم نے کہنے پہ عمل کیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہما کے سٹنگ روم میں براجمان تھے۔ بڑی سی چادر میں لپٹی ہما رو رو کر اپنا حشر کر چکی تھی۔

"ہما! فار گاڈ سیک بتاؤ گی بھی کہ رونے کی وجہ کیا ہے؟"

"میری میں باہر انتظار کر لیتا ہوں۔ تمہارا..." وہ اپنی مہذب فطرت کے ہاتھوں مجبور تھا۔ ہما شاید اسی کے باعث جھجک رہی تھی۔

"آپ بیٹھیں ابراہیم بھائی میری کی نسبت سے آپ میرے بھائی جیسے ہیں۔" شکسبار ہما گویا تھی۔

"انکل آنٹی کہاں ہیں؟" اس نے ان کی غیر موجودگی محسوس کی۔

"عمرہ ادا کرنے گئے ہیں۔ آج کل خالہ میرے ساتھ رہ رہی ہیں۔ ابھی وہ کسی عزیز کے گھر گئی ہیں۔" ہما سنبھلتے ہوئے بولنے لگی۔

"جب اپنا سمجھ کر پکارا ہے تو اعتبار بھی کرو۔ کوئی پرابلم ہے تو شیئر کرو۔" ہما کے ہاتھ پر تھپکی دی۔ وہ خاموش بیٹھا تھا۔ پھر ہما کی دھیمی آواز گونجی۔

"پچھلے تین ماہ سے میری زندگی عذاب میں مبتلا ہے۔ ایک شخص مسلسل کال کر رہا ہے۔"

"رونگ نمبر ہوگا؟"

"نہیں اسے میرا نام، فیملی ممبرز کی تعداد تک پتا ہے یہاں تک کہ میری منگنی میرے فرسٹ کزن سے ہوئی ہے یہ بھی جانتا ہے۔ امی ابا آج کل عمرہ ادا کرنے گئے ہیں یہ بھی خبر ہے اسے۔ بلاناغہ دن میں کئی بار کال کرتا ہے۔ ایک بار میں یاسر (منگیتر) کے گھر گئی تو وہاں بھی اس کی کال آ گئی۔ میں نے کئی بار اسے ٹریس آؤٹ کرنا چاہا مگر اس کا کوئی نمبر ہاتھ نہیں لگتا ہے۔ وہ فون بوتھ استعمال کرتا ہے۔" صورت حال تو واقعی گمبھیر تھی۔

"کہتا کیا ہے؟"

"وہ کہتا ہے کہ میں یاسر سے منگنی توڑ دوں کیونکہ وہ مجھے چاہتا ہے۔" آواز دھیمی ہو گئی۔

"تم نے کیا کیا؟"

"میں نے ڈانٹ کر فون بند کر دیا مگر وہ باز نہیں آتا۔ فون ریسیو کرنا چھوڑ دیا تو آواز بدل کر امی سے بلوا لیا۔ عاصم نام بتاتا ہے۔ میں کہاں جاتی ہوں، کہاں آتی ہوں اس تک سے باخبر ہے۔ میں تو باقاعدہ حجاب میں باہر نکلتی ہوں۔ کبھی کوئی افیئر نہیں چلایا اب اس شخص کی باتیں سن کر خودکشی کرنے کو دل چاہتا ہے۔ میں

بے گناہ ہوں یقین کرو۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا میں اس شخص سے کیسے پیچھا چھڑاؤں یہ۔ امی ابا کو علم ہو گیا تو۔۔۔۔ میں اپنی صفائی میں کیا کہوں گی' یاسر کی نظروں کا سامنا کیسے کروں گی۔" وہ رو رہی تھی۔ ہما کے کردار و اطوار کی تو وہ خود امین تھی۔ ماسٹرز پروگرام میں دو سال ساتھ رہا تھا دونوں کا اس نے ہما کو کبھی لڑکوں سے ہیلو ہائے کرتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ باقاعدہ حجاب میں رہتی تھی اور موجودہ صورتحال اسے پاگل کر دینے کو کافی تھی۔ وہ اسے دلاسہ دینے لگی۔ اس کی ذہنی حالت کا احساس ہو رہا تھا۔

"کوئی ایسا شخص ہے آپ کی نظروں میں جو ایسی حرکت کر سکتا ہو؟" خاموش بیٹھے ابراہیم نے سوال کیا۔ ہما کا جواب نفی میں تھا۔ اس نے خود بارہا اس پہلو پہ سوچا تھا مگر اسے کوئی مشکوک نہ لگا کیونکہ وہ چند مردوں کے علاوہ کسی کے سامنے بے پردہ نہیں رہی تھی۔

"آپ کی ساری باتیں شو کر رہی ہیں کہ وہ شخص آپ سے بخوبی واقف ہے۔ والد اور بھائیوں کے علاوہ کوئی ایسا شخص ہے جس سے آپ فرینک ہیں؟" سوال پھر اسی نے کیا۔

"میرا منگیتر ہے یاسر۔" آنکھیں رگڑتے اس نے ہولے سے جواب دیا۔ وہ خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

"آئم سوری ٹو سے۔ لیکن میں فرینک ہو کر آپ سے سوال کرنا چاہوں گا۔ مائنڈ تو نہیں کریں گی؟" وہ جھجک گیا۔

"پوچھیے۔"

"آپ لوگوں کی لو انگیجمنٹ ہے؟" ہما کا چہرہ اک لمحے کو سرخ ہو گیا۔

"جی ون سائیڈ یاسر ہمیشہ سے خواہشمند رہا ہے۔ امی ابا چھ ماہ پہلے مانے ہیں۔ ہماری انگیجمنٹ کو چار ماہ ہو گئے ہیں۔" مفصل جواب دیا۔ وہ ایک لمحے کو پرسوچ انداز میں پیر کا انگوٹھا قالین پہ پھیرنے لگا۔

"آپ یاسر کو کانٹیکٹ کریں اور اسے ابھی یہاں بلائیں۔" لہجہ پرسکون تھا جیسے کسی منزل تک رسائی حاصل ہو گئی ہو۔

"اس سے کیا ہو گا ابراہیم؟" میرین نے لب کشائی کی۔ ہما بھی اسے دیکھنے لگی۔

"جو کچھ میں نے محسوس کیا ہے اس کے بعد یاسر سے میٹنگ کرنا بے حد ضروری ہے۔"

"یہ سب جاننے کے بعد ہو سکتا ہے یاسر کو برا لگے۔ وہ ہما پہ شک کرے۔" ہما کا انداز ظاہر کر رہا تھا وہ میرین کی بات سے اتفاق کر رہی ہے۔

"سب سے بڑی بات یاسر کو برا لگنا نہیں چاہیے کیونکہ غلطی ہما کی نہیں ہے۔ دوسرے وہ واقعی سچی محبت میں مبتلا ہے تو اپنے پیار پہ کبھی شک نہیں کرے گا۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔

"ہما آپ یاسر کو ٹریس کریں' بھروسہ کیا ہے تو مکمل کریں۔" اس نے فون سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ہما تامل کر رہی تھی۔ اسی اثنا میں فون کی بیل بجی اور ہما خوف سے پیلی پڑ گئی۔

"اسی کی کال ہے؟" ابراہیم اٹھ کر قریب آ گیا۔ اس نے کانپتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ سی ایل آئی اسکرین پہ کوئی نمبر نہیں تھا۔

"کال ریسیو کریں اور اسے آدھے گھنٹے بعد کال کرنے کو بولیں' کوئی بھی بہانہ گھڑ دیجئے۔" وہ برابر ہدایت دے رہا تھا۔ میرین نے ہما کا حوصلہ بڑھایا۔

"ابراہیم جیسے بول رہا ہے کر لو۔" مگر وہ بدستور کانپ رہی تھی۔ آنسو ایک بار پھر عارضوں پہ بہہ رہے تھے۔ بیل متواتر ہو رہی تھی۔

"کم آن گڑیا۔ پک اپ دا فون۔" ابراہیم کا ہاتھ ہما کے سر پہ آ پڑا۔ انداز بزرگوں والا تھا۔ ہما نے کال پک کر لی۔

"ہیلو!" ہما نے ہمت کر کے کہا۔ ابراہیم نے سرعت سے سیل فون وائس ریکارڈر پہ لگا کر ایئر پیس پہ لگا دیا۔ مقصد دوسری طرف کی آواز ریکارڈ کرنا تھی۔ میرین نے اس حرکت پہ نظروں ہی نظروں میں اسے سراہا۔

"بڑی دیر کر دی اٹھانے میں؟" دوسری طرف بڑی اپنائیت سے مردانہ آواز میں استفسار ہوا۔

"تم مسلسل تین ماہ سے مجھے کال کر رہے ہو۔ میری ڈانٹ سن کر تھکتے نہیں ہو۔" ہما سر پہ رکھے ہاتھ کو سائبان سمجھ کر نڈر ہو گئی۔

"تمہیں تین ماہ کیا میں جنموں تک کال کر سکتا ہوں۔" وہ مکروہ ہنسی کے ساتھ گویا تھا۔

"شکریہ۔ تمہاری مستقل مزاجی مجھے سوچنے پہ مجبور کر رہی ہے میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں مگر کوئی دروازے پر ہے۔ کیا تم آدھے گھنٹے بعد مجھے کال کرو گے۔" نفرت کو قابو کر کے ہما نے لگاوٹ کا مظاہرہ کیا۔

"تم انتظار کرو گی تو دس بار کروں گا۔"

"میں انتظار کروں گی۔ کوئی دروازہ بجا رہا ہے۔" عجلت میں بولتے ہما نے ریسیور کریڈل پہ ڈال کر ہتھیلیوں میں چہرہ چھپا لیا۔

"بریو گرل۔" ابراہیم نے بے ساختہ سراہا۔ میرین نے بھی داد دی۔ یاسر چند منٹ بعد ان کے روبرو تھا۔ وہ میرین اور ابراہیم کو دیکھ کر حیران ہوا۔ ابراہیم نے طریقے سے تمام صورتحال گوش گزار کر دی۔ وہ فوراً ہی غیرت میں آ گیا کہ کون ہے وہ شخص جو اس کی ہما کو تنگ کرتا ہے۔ ٹائم کم تھا ان باتوں سے ابراہیم کو کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے سوال کیا۔

"آپ کے دوست ہما سے واقف ہیں؟"

"غائبانہ کیونکہ یہ پردہ کرتی ہے۔" بڑی سی چادر میں چھپی ہما کو یاسر نے نظروں میں رکھتے جواب دیا۔

"اپنے دوستوں سے ہما کا ذکر کرتے ہیں؟"

"آپ وکیلوں کی طرح جرح کیوں کر رہے ہیں؟ ہما کے تنگ ہونے کا میرے دوستوں سے کیا تعلق؟" یاسر غصہ کرنے لگا۔ ابراہیم اس سے تیز آواز میں گویا ہوا۔

"تعلق ہے یاسر کیونکہ ہما آپ سے زیادہ کسی کے قریب نہیں۔ یہ کہاں آتی ہے 'جاتی ہے۔ اس کے روز و شب عادات و اطوار آپ کے علم میں ہیں۔ آپ ہر بات دوستوں سے شیئر کرتے ہیں تو باتوں باتوں میں آپ اپنے دوستوں کو "ان کی بھابھی" کے بارے میں بھی بتاتے ہوں گے۔ اینڈ آئم شیور کہ عاصم آپ کا دوست ہے۔" ابراہیم کے اگریسو ہونے پہ میرین ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگی۔ ہما لب چبانے لگی۔ جبکہ یاسر ساکت رہ گیا۔

"عاصم نام لیا ابھی تم نے؟" وہ اچنبھے سے استفسار کر رہا تھا۔ اثبات میں سر ہلاتے ابراہیم نے عاصم کی ریکارڈ آواز ریورس کر کے یاسر کی طرف بڑھا دی۔ فون کان سے لگائے یاسر کا چہرہ رنگ بدل گیا۔

"میرا کلوز فرینڈ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" یاسر دکھ کی تصویر بنا خود کلامی میں مصروف تھا۔ وہ دونوں تحیر سے جم گئی تھیں۔ آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا۔ فون کی بیل پہ ابراہیم نے فون سیٹ اٹھا کر ریسیور ہما کو پکڑایا۔ ہما غائب دماغی سے ہیلو کہہ کر خاموش ہو گئی۔ خاموشی سے ابراہیم نے ریسیور یاسر کے کان سے لگا دیا۔

"میں خوشی سے مر نہ جاؤں آج کتنے دنوں کی لگن رنگ لائی ہے۔ تم مجھ سے بات کر رہی ہو۔ ورنہ ہر بار تم فون بند کر دیتی تھیں۔ کیوں ڈرتی ہو مجھ سے؟ تمہارے منگیتر یاسر سے تو ہزار درجے اچھا ہوں۔" وہ بولے جا رہا تھا اور یاسر کی کنپٹیوں میں خون کھول رہا تھا۔

"تم نے دوستی پر سے میرا اعتبار اٹھا دیا عاصم میں نے اپنا سمجھ کر اپنی محبت شیئر کی تم سے اور تم۔" یاسر غصے سے گویا تھا۔ اگلے ہی لمحے کال ڈسکنکٹ ہو گئی۔ سسپنس اوپن ہو چکا تھا۔ یاسر جس دوست سے ہما کے کردار و اطوار عادات میں شیئر کرتا تھا اسی نے نقب لگائی تھی۔ یاسر ندامت سے نظریں ملانے کے قابل نہیں تھا اسے احساس تھا اس کی سستی تفریح نے 'یار دوستوں میں نمایاں رکھنے کی خواہش نے ہما کو کتنی اذیت دی۔ ہما ساکت بیٹھی تھی۔ وہ شاکڈ تھی۔ میرین عثمان غصیلی نظروں سے یاسر کو دیکھ رہی تھی۔ ابراہیم متاسف لہجے میں گویا تھا۔

"گھر کی بات غیروں تک پہنچانے کا انجام دیکھ لیا

یاسر؟ جسے دوست سمجھ کر تم اپنی فیلنگز شیئر کرتے رہے وہی آستین کا سانپ نکلا۔ جس نے ڈسنے کی پوری کوشش کی۔ تمہیں ایک ٹرو اسٹوری سناؤں ایک شخص کو کسی سے محبت تھی۔ نجانے اس کی محبت کتنی بودی تھی کہ اس نے سوچا یہ لڑکی کو چیک کروں یہ کریکٹر کی ٹھیک ہے یا نہیں اس شخص نے اپنے دوست کو جاسوسی پہ مامور کیا۔ جاسوس دوست روز رپورٹنگ کرتا آج وہ اتنے بجے آئی۔ اس نے گرین کپڑے پہن رکھے تھے۔ اچھی لگ رہی تھی۔ دوستوں کے ساتھ باتیں کرتی رہتی ہے ہنستی بہت ہے کچھ ماہ یہ سلسلہ چلا پھر اس شخص کا جاسوس دوست سوری، بوائے فرینڈ شادی کا کارڈ تھما گیا۔ وہ بانکی لڑکی اسے اتنی اچھی لگی کہ اس نے اپنی اماں کو اس کے گھر بھیج دیا اور شادی طے کروالی۔ اس شخص نے دوست کو برا بھلا کہا۔ شرم دلائی کہ دوست کی محبت پہ ڈاکہ ڈالا تب اس کے فرینڈ نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ ”اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم کبھی اسے چیک نہ کرتے ایک اجنبی شخص کو کبھی اپنے پیار پہ نظر رکھنے کو نہ بولتے۔ اپنی عزت سمجھتے تو کبھی یار دوستوں میں اس کا تذکرہ نہیں کرتے۔“ وہ شخص لاجواب ہو کر سر جھکا گیا۔ جس لڑکی سے اسے محبت کا دعویٰ تھا جس دوست پہ اندھا اعتقاد تھا آج اسی دوست کے بچوں کا چاچو بنا ہوا ہے۔“ یاسر کا سر اوپر اٹھ نہیں رہا تھا۔ ابراہیم کی چھا جانے والی شخصیت نے اسے پزل کر دیا تھا۔

”بظاہر یہ واقعہ فنی بھی ہے اور عبرتناک بھی تم اس سے عبرت پکڑو اور آئندہ کبھی یہ حرکت مت کرنا۔ ہما تم بھی سب بھول جاؤ۔“

”کیا، کیا بھول جاؤں ابراہیم بھائی۔ تین ماہ سے میری زندگی عذاب بنی رہی۔ ہر لمحہ میں نے اپنی غلطی ڈھونڈی کہ شاید میری صاف ستھری زندگی میں کوئی داغ ملے جو میرا یہ عاشق پیدا ہو گیا۔ مگر کیا خبر تھی میں دوسروں کا بھگتان بھگت رہی ہوں۔ میں نے ساری زندگی شرعی پردہ کیا مگر یہ شخص مجھے بے پردہ کرتا رہا۔ ابھی انگیجمنٹ ہوئی ہے اور اس کے دوستوں کو خبر ہو گئی کہ میرے بازو کے کس حصے میں تل ہے کل جب یہ شخص میرا لباس بنے گا تو نجانے اس کے دوستوں کو میرے بارے میں کیا کیا خبر ہو جائے۔ یاسر صاحب میں بھر پائی تم سے رشتہ جوڑ کر۔ محبت کے نام پہ بازار میں بٹھا دیا تم نے مجھے کتنے گھٹیا ہوتے ہیں تم جیسے مرد جو عورتوں کو عام کر دیتے ہیں۔ بازار میں بیٹھی عورت اور گھر میں بیٹھی عورت میں کچھ تو فرق رکھو۔ اپنی رنگ لے کر دفع ہو جاؤ میری نظروں سے مجھے تمہاری صورت سے ہی گھن آ رہی ہے۔“ ہما غصے سے پھٹ پڑا۔ اپنی بے قدری، رسوائی، اذیت کا احساس گہرا ہوا تو بھری بھری سنا دی۔ اپنی بگڑی صورت آئینے میں دیکھ کر کوئی کب تک نظر ملا سکتا ہے۔ یاسر خاموشی سے اٹھ گیا۔ سستی تفریح نے اسے شکست سے دوچار کر دیا تھا۔ اب ساری عمر وہ ہما سے نظر ملانے کے قابل نہ رہا تھا۔ وہ دونوں اپنی جگہ خاموش تھے۔ ناکردہ گناہوں کا بوجھ شانوں سے اترا تو ہما پھر سے تازہ دم ہو گئی۔

”ابراہیم بھائی آپ کا بے حد شکریہ۔ آپ نے پل بھر میں سراغ لگا کر مہینوں سے جاری ٹینشن سے میری جان چھڑائی۔ میں آپ کی احسان مند رہوں گی۔ تمہاری بھی شکر گزار ہوں میری جو میرے کال کرنے پہ بھاگی چلی آئیں۔“ وہ باری باری دونوں کی شکر گزار تھی۔ میرین عثمان کے دل میں ابراہیم کے لیے مزید محبت موجزن ہو گئی۔

”بڑی خاموش ہو؟“ ڈرائیو کرتے اس نے اس کی خاموشی پہ استفسار کیا۔

”ایک بات سوچ رہی تھی۔“ کہہ کر اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی۔

”کیا؟“

”تم ملٹی نیشنل کمپنی میں کیا کر رہے ہو؟ تمہیں تو انوسٹی گیشن برانچ میں ہونا چاہیے تھا؟“ توصیفی نظروں پہ وہ بے ساختہ ہنس دیا۔ وہ سنجیدگی سے گویا تھی۔

”ابراہیم! جس طرح تم نے ہما کا کیس حل کیا میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی مجھے کتنی خوشی ہوئی۔

میں ساری زندگی ناز کروں گی کہ میں نے ابراہیم سے محبت کی۔ جو محبت ہی نہیں محبت کی عزت بھی کرتا ہے۔ جو اوروں سے بے حد الگ ہے۔ جس پہ میں آنکھیں بند کر کے اعتبار کر سکتی ہوں۔" اس نے اسٹیئرنگ پہ موجود اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ محبت سے لبریز نظریں اس پہ جمادیں۔

"بڑا پیار آرہا ہے؟" اس کا ہاتھ اسٹیئرنگ پہ رکھ کر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"تم ہمیشہ یونہی اچھے رہنا۔" اس کے بائیں بازو پہ اپنا سر ٹکا دیا۔

"ورنہ؟" ابراہیم نے مزہ لیا۔

"ذرا بھی بدلے تو جان سے مار دوں گی۔" گردن دبانے والے انداز میں ہاتھ گردن کے گرد کر کے بولی۔ انداز اور جملے پہ اس کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

☆ ☆ ☆

بعض لوگ اتنے مکمل ہوتے ہیں کہ انہیں زندگی میں شامل کر کے زندگی کو پرسکون کر لینے کو دل چاہتا ہے۔ میرین عثمان کو بھی ابراہیم کی زندگی کا حصہ بننے کی چاہ تھی۔ بلاشبہ وہ نیت و کردار کا اتنا اچھا تھا کہ کوئی بھی لڑکی اس رفاقت پہ ناز کرتی۔ پھپھو، پھوپھا جان ابراہیم کے لیے میرین عثمان کا ہاتھ مانگنے آئے تھے۔ مما تو سنتے ہی بھڑک گئیں۔ بابا موجود تھے سو انہیں خود کنٹرول کرنا پڑا۔ لیکن باتوں باتوں میں مما نے انہیں کافی کچھ جتا دیا تھا۔ پھپھو بیتی باتوں کو فراموش کرنے کی التجا ہی کرتی رہیں مگر مما کا انداز خاطر میں نہ لانے والا تھا۔ جاتے سمے وہ دونوں کافی دلبرداشتہ لگ رہے تھے۔ بابا کو مما کا رویہ اہانت آمیز لگا۔ ان کے جاتے ہی بابا مما پہ برس پڑے۔

"تم کس قسم کی عورت ہو؟ برسوں بیت گئے ایک بات کو اور تم آج تک لکیر پیٹ رہی ہو۔ ایسا کیا کر دیا میری بہن نے کہ تم ہمیشہ اس سے نفرت کرتی آ رہی ہو۔ تمہارا بھائی میری بہن کے عشق میں مرا جا رہا تھا تو اس میں میری بہن کی کیا غلطی تھی۔ اس نے کہا تھا مجھ سے عشق کرو۔ تمہیں آج تک یہ غم ہے کہ سعدیہ نے تمہارے بھائی سے شادی نہ کر کے مرحوم والدین کے قائم کیے رشتے کو کیوں نہ توڑا؟"

"تمہاری بہن نے میرے بھائی سے شادی نہ کی تو کونسا اس نے خودکشی کر لی۔ میرے بھائی کو سعدیہ سے اچھی کروڑ پتی باپ کی بیٹی مل گئی اور دیکھ لو آج میرا بھائی دولت میں عیش کر رہا ہے۔ جبکہ تمہاری بہن چار کمروں کے مکان میں زندگی بسر کر رہی ہے۔"

مما بابا سے زیادہ تنک کے گویا تھیں۔

"میری بہن چار کمروں کے مکان میں حلال کمائی کھا کر زندگی بسر کر رہی ہے۔ نیک صالح بچے اس کے نصیب سے ملے۔ تمہارے بھائی کی طرح نہیں جس نے بیوی کو سیڑھی بنا کر دولت حاصل کی۔ ایک فرح نے اپنی قیمت وصول کی۔ دولت ناجائز ذرائع سے کمانا خوبی نہیں۔ اسی حرام کی کمائی نے اسے راعمیس رضا جیسا بیٹا عطا کیا۔ جس کی نظر میں باپ کی طرح حرام حلال اور جائز ناجائز میں کوئی فرق ہی نہیں ہے۔ باپ کی طرح اسموکنگ اور ڈرنک میں ڈوبا نظر آتا ہے۔ کل آئے تھے تمہارے بھائی اپنے فرزند ارجمند راعمیس رضا کا پرپوزل لے کر۔ کہاں راعمیس رضا اور کہاں ابراہیم جو ہمیشہ اپنے نام کی لاج رکھتا ہے۔" بابا بے حد کول مائنڈڈ تھے۔ دیگر مردوں کی طرح بیویوں سے ہر گھڑی جھگڑنا انہیں ناپسند تھا۔ ان کی پرسنالٹی اتنی بارعب تھی کہ مما جیسی طرح دار عورت ان کی تنبیہی نظروں ہی سے خائف رہتی تھیں۔ بابا کی مما سے ون سائیڈڈ لو میرج تھی۔ بابا مما کو بہت چاہتے تھے۔ بابا کی خواہش پہ دادا، دادی مما کو بیاہ لائے۔ مما کو روایتی سسرال نہیں ملا تھا۔ محبت کرنے والے ساس سسر، دوستوں جیسی نند اور بابا کے عشق نے انہیں نہال کر دیا تھا۔ دادا، دادی کے انتقال کے بعد مما، پھپھو کے بے حد قریب آگئیں۔ بابا نے بڑے بھائی نہیں باپ کی طرح پھپھو کو محبت دی۔ مما نے بھی بابا کا خوب ساتھ دیا۔ مگر جب ماموں نے پھپھو کو دیکھا تو ان پہ بری طرح فریفتہ ہو گئے۔ ماموں نیویارک میں ہوتے تھے۔ مما کی

شادی پہ مصروفیت کی بنا پر آنہ سکے تھے۔ اب انہوں نے مستقل پاکستان سیٹل ہونے کا پلان بنالیا تھا۔ مما کو اپنے اکلوتے بھائی سے بہت محبت تھی۔ ماموں کے لیے وہ شروع سے ہی جذباتی رہی تھیں۔ جب ماموں نے مما سے پھپھو سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی تو مما نے سہولت سے بتا دیا کہ پھپھو پہلے ہی انگیج ہیں مگر ماموں یہ سن کر بھی پیچھے نہ ہٹے۔ وہ روز آموجود ہوتے اور پھپھو کی زندگی عذاب بن جاتی وہ ان کی نظروں' باتوں سے خائف رہنے لگی تھیں مما نے ماموں کی طرفدار بن کر بابا سے انگیج منٹ توڑنے کی بات کی تو بابا نے انکار کر دیا۔ ادھر ماموں خود کشی کی دھمکی دے رہے تھے اور ادھر بابا مان کے نہیں دے رہے تھے۔ بابا نے ماموں کو گھر آنے سے منع کر دیا تو مما بھڑک اٹھیں اور جب پھپھو نے ایک دن عاجز آکر ماموں کو بے نقط سنائیں تو اختلافات کھل کر سامنے آگئے۔ مما پوری طرح ماموں کی حمایتی تھیں۔ جبکہ بابا پھپو کے طرفدار تھے۔ جب مما کسی طور اپنے تقاضے سے پیچھے نہ ہٹیں تو بابا نے طلاق کی دھمکی دے دی۔ ماموں بنیادی طور پہ حسن پرست واقع ہوئے تھے۔ انہیں پھپھو سے کوئی طوفانی عشق نہ تھا اب جب مما کا گھر ٹوٹنے لگا تو قربانی کا تاثر دیتے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ مما جہاں ماموں کی اعلیٰ ظرفی کی ممنون ہوئیں وہیں پھپھو کے لیے ان کے دل میں نفرت کا محل کھڑا ہو گیا۔ بابا نے پھپھو کے لیے انہیں طلاق کی دھمکی دی۔ محب شوہر کے اس انداز کی ذمہ دار انہیں پھپھو نظر آئیں۔ پھپھو نے ہر جتن کر لیے مگر مما کا دل صاف نہ ہوا۔ برسوں بیت گئے اس قصے کو مگر ماموں آج تک مما کو اپنا احسان یاد دلا کر منتقم المزاج بنا چکے تھے۔ ماموں اپنے ریجیکٹ کیے جانے کا بدلہ پھپھو کو رلا کر لے رہے تھے۔ پھپھو کا میکہ بابا کے دم سے آباد تھا مگر ان کی ہر آمد پہ مما کوئی نہ کوئی زخم لگاتیں کہ وہ مہینوں میکے کا نام نہ لیتیں۔ نئی نسل نے شعور کی دنیا میں قدم رکھا تو سب کو ماموں اور مما ہی کی غلطی نظر آئی۔ سمارا اور ابراہیم مما کو ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے مگر میرین عثمان ان کے بنا رہ نہ پاتی تھی اور اب موجود صورتحال نے مما کے برسوں پہلے لگے زخم کو ہوا دی۔ عزیز بھائی کے رشتے سے انکار کر کے پھپھو نے مما کی انا پہ پاؤں رکھ دیا تھا کل انہوں نے ماموں کو ٹھکرایا تھا آج مما ابراہیم کو ٹھکرا کر برسوں پرانا انتقام لینے کے موڈ میں تھیں۔ میرین عثمان کے رنگ ڈھنگ انہوں نے عرصے پہلے جان لیے تھے۔ خاموش رہیں کہ بیٹی کے ذریعے وہ نند سے برسوں پہلے لگے زخم کا حساب لے سکیں گی۔

لاؤنج میں حشر کا سا سماں تھا۔ وہ پریشانی سے دونوں کو لڑتے دیکھ رہی تھی۔

"آپ لوگ جھگڑیں تو مت' بات سہولت سے بھی ہو سکتی ہے۔" میرین نے دخل اندازی کی۔

"تم تو چپ ہی رہو۔ کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں دخل اندازی کرنے کی۔" مما تڑخ کر اسے چپ کرا گئیں۔

"میں اب آپ کے رعب میں نہیں آؤں گی۔ برسوں پہلے طلاق کی دھمکی دے کر آپ نے مجھے چپ کرایا تھا۔ آج میں کہہ رہی ہوں اگر آپ باپ بیٹی نے ابراہیم کو ریجیکٹ کر کے راعمیس رضا کا رشتہ قبول نہ کیا تو میں خلع کا کیس دائر کر دوں گی۔" وہ دونوں اپنی اپنی جگہ ٹھٹھک گئے۔ مما سراپا انتقام لگ رہی تھیں۔

"نند نے ایک بار نیچا دکھایا میں سہہ گئی مگر اب بیٹی یہ کام کرے گی میں برداشت نہیں کروں گی۔ آپ دونوں سوچ لیں میں عزیز ہوں یا سعدیہ اور ابراہیم۔" مما جنونی ہو رہی تھیں۔

"اس عمر میں تماشا کرو گی' تم پاگل ہو گئی ہو؟" بابا کا انداز فہمائشی تھا۔ مما کی انتہا سے بخوبی واقفیت کے باوجود وہ ان سے عشق کرتے تھے۔ ان کے عشق کا ثبوت یہی تھا جو مما پھپھو سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھیں اور بابا نے آج تک مما پہ سختی نہیں کی تھی۔ ہمیشہ یہ سوچ کر رہ جاتے کہ محبت زبردستی تو نہیں کروائی جا سکتی۔

"پاگل پن کا ثبوت تو آپ دونوں کے فیصلے پہ منحصر

ہے۔ مجھے فارغ کر کے ابراہیم کو بیٹی سونپے گا۔"
لفظوں کی چنگاریاں اڑا کر مما لاؤنج سے چلی گئیں۔ بابا کو مما پہ غصے کے ساتھ بے حد دکھ ہوا۔ میرین عثمان بھی ساکت رہ گئی تھی۔ جانتی تھی مما یہ ہی سب کریں گی مگر وہ اس انتہا پن کا ثبوت دیں گی اندازہ نہیں تھا۔ خود سے نظریں چرا کر اس نے خاموش بیٹھے بابا کو دیکھا۔ مما سے زیادہ وہ بابا کے قریب تھی۔ مما کی سوشل ایکٹی ویٹی کے باعث وہ شروع ہی سے ان سے دور رہی۔ جب اس نے باقاعدگی سے پھپھو کے گھر جانا شروع کیا تو جس طرح بابا کو یہ بات اچھی لگی وہیں مما کو آگ لگ گئی۔ شروع میں انہوں نے اس پہ سختی بھی کی مگر وہ باز نہ آئی۔ جب وہ بابا سے پھپھو کے گھر کا ذکر کرتی تو بابا کے چہرے پہ روشنی پھیل جاتی تھی۔ دادا' دادی کے بعد پھپھو کا میکہ بابا کے دم سے تھا۔ مما کا یہی رویہ بابا کو برا لگتا تھا۔ انہوں نے سرزنش بھی کی مگر مما اپنی ہی روش پہ سدا گامزن رہیں۔ بابا' بھائی ہونے کا حق نبھاتے مگر مما سالوں پھپھو کے گھر نہ جاتیں۔ بابا کی کسک میرین عثمان نے بھانپ کر مٹانے کی سعی کی۔ پھپھو کے گھر میں دوڑتی بھاگتی زندگی نے اسے اسیر کر لیا۔ وہ بابا کی خوشی کے لیے ان سے ملتی تھی پھر خبر ہی نہ ہوئی ابراہیم کب دھڑکنوں میں سما گیا اور اب مما نے خود کو داؤ پہ لگا دیا تھا۔ بابا کو مما اور پھپھو دونوں عزیز تھیں۔ وہ ایک دم سے نڈھال نظر آنے لگے۔ مما کے انتقام پہ اسے تاسف نے گھیر لیا۔ جنم بھلے اسے مما نے دیا مگر آغوش کی گرمی پھپھو نے بخشی تھی۔ پھر ابراہیم بھی تو تھا جو دیوانگی کی حد تک دیوانہ تھا۔ مما نے اپنے انتقام میں اس کے دل کا نہ سوچا جس میں ابراہیم دھڑکتا تھا۔ جس رائعمیس رضا کے بارے میں وہ سوچنا بھی گناہ تصور کرتی تھی اسے جسم و جاں سونپنے کا خیال ہی سوہان روح تھا۔ فیصلے کی گھڑی مشکل تھی۔ بابا غیر مرئی نقطے کو گھور رہے تھے۔ اس نے بابا کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

"بابا! اب کیا ہو گا؟" بابا نے گردن موڑ کر اس کا متفکر چہرہ دیکھا۔

"تم کیا چاہتی ہو بیٹے؟" بابا کے سوال پہ نظریں جھک گئیں لب کچلتے وہ انگلیاں چٹخانے لگی۔ ان سے ہزار قریب ہونے کے باوجود وہ بے شرموں کی طرح ابراہیم کا نام تو نہیں لے سکتی تھی۔ اسے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ بابا خود ہی جان گئے۔

"بہت عجیب دوراہے پر کھڑا ہوں میں۔ بہن اور بیٹی کی خوشیوں کا سوچتا ہوں تو بیوی کو چھوڑنا پڑے گا۔ بیوی کا سوچتا ہوں تو بہن بیٹی کی خوشی روٹھ جاتی ہے۔ میرے دکھ کا اندازہ کسی کو نہیں والدین کے بعد سعدیہ کو میں نے بہن نہیں بیٹی جانا۔ عالیہ سے میری ون سائیڈڈ لو میرج ہے۔ بہت پاپڑ بیل کر اسے اپنایا تھا۔ شروع میں ان دونوں کے درمیان نند بھاوج والی بات نہ تھی۔ عالیہ ایک مثالی بیوی اور بھابی تھی لیکن رضا نے جب سعدیہ سے شادی کی خواہش ظاہر کی تو عالیہ بھائی کی خوشیوں کے لیے اڑ گئی اسے اپنے بھائی سے بہت محبت ہے میں اور سعدیہ نہیں چاہتے تھے کہ وقار سے منگنی توڑی جائے۔ سعدیہ اسکولنگ کر رہی تھی۔ جب ابا نے اپنے دوست کے بیٹے وقار سے اس کی منگنی کر دی۔ میں آگاہ تھا سعدیہ اور وقار ایک دوسرے کو چاہتے تھے کم عمری کی محبت نے ان کے دل میں گھنے پیڑ کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ایسے میں عالیہ نے منگنی توڑنے کی کوشش کی تو میں نے سعدیہ کا ساتھ دیا اور دو حصوں میں بٹ گیا۔ میری آرزو تھی بیوی اور بہن کو مثالی محبت کرتے دیکھوں مگر عالیہ نے آج تک سعدیہ کو معاف نہ کیا۔ ابھی تو پرانا زخم رس رہا تھا اور تمہاری خوشیاں بھی سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟ مجھے تم تینوں ہی جان سے پیارے ہو میں کس کی خوشی کا سامان کروں۔" مما اور پھپھو کے بیچ ٹینشن کی وجہ سے ینگ جنریشن آگاہ تھی۔ اب بابا کا سوال اسے پزل کر گیا۔

"آپ ٹینشن مت لیں بابا سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس کے لفظوں کا کھوکھلا پن عیاں تھا۔ بابا کے لبوں پہ مجروح مسکراہٹ تھی۔

✲ ✲ ✲

مما بیڈ روم میں مقید تھیں۔ جبکہ بابا اور وہ کئی گھنٹوں سے لاؤنج میں براجمان اس مسئلے کا حل تلاش کر رہے تھے۔ مما سے کچھ کہنا عبث تھا۔ وہ اپنی ہٹ کی کتنی پکی تھیں۔ دونوں آشنا تھے۔ بابا کی دلگرفتگی پہ اسے ترس آرہا تھا۔ صرف اس کی خوشیاں ہوتیں تو وہ پہلی فرصت میں مشورہ دیتی کہ مما کو خوش کریں۔ لیکن سوال صرف اس کا نہیں پھپھو کی خوشیوں کا تھا۔ ان کے میکے کا مان بحال رکھنا تھا۔ بابا کو بہنوئی کے آگے بہن کی سربلندی مقصود تھی۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ شام بھیگ چکی تھی۔ بھوک تو سرے سے تھی ہی نہیں۔ بابا کی فرمائش پہ کافی بنا کر لائی تو اگلے ہی پل اس کے وجود کو جھٹکا لگا۔ کچھ دیر قبل بابا کو صحیح حالت میں چھوڑ گئی تھی مگر اب بابا سینے پہ ہاتھ رکھے سرکشن پہ رکھے نظر آئے۔ مگ کاؤچ پہ پٹخ کر وہ سرعت سے لپکی۔

"کیا ہوا بابا؟" پشت پہ ہاتھ پھیلائے دوسرے ہاتھ سے چہرہ اوپر کیا۔ سرخ چہرہ پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ "بابا کیا ہو رہا ہے آپ کو؟" وہ روہانسی ہو گئی۔ حواس ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔

"مما!" وہ پوری قوت سے چلائی۔ پتہ نہیں اس کی صدا میں درد تھا یا مما اسی طرف آ رہی تھیں۔ بابا کو ابتر حالت میں میرین کو پریشان حال دیکھا تو سرعت سے قریب آئیں۔

"کیا ہوا؟" مما بھی متفکر ہو گئیں۔ نظریں بابا کے چہرے پہ جمی تھیں مما کا سارا کروفر، غصہ پس پردہ چلا گیا۔ وہ بابا کے قریب ہو گئیں۔ "میری ڈاکٹر کو بلاؤ۔"

میرین عثمان کے حواس کام نہیں کر رہے تھے۔ کاؤچ پہ پڑا فون سیٹ گھسیٹ کر اس نے نمبر پش کیا۔ پتہ نہیں وہ کس کا نمبر پش کر بیٹھی تھی۔

"میری!" دوسری طرف سے ابراہیم کی آواز آئی تو یاد آیا۔ وہ اس کا نمبر ڈائل کر بیٹھی ہے۔

"میری سب ٹھیک ہے؟" پھپھو کے مضمحل چہرے نے پہلے ہی اسے کسی پریشانی کا اشارہ دیا تھا اور اب اس کی غیر معمولی خاموشی اسے بے تاب کر گئی۔

"میری خدارا ایمبولینس کو فون کرو۔ تمہارے بابا کو کچھ ہو رہا ہے۔" مما کی گھبرائی ہوئی آواز ابراہیم تک بھی پہنچ گئی۔

"ابراہیم! بابا کو پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے۔ تم آجاؤ۔" وہ بے ساختہ رو پڑی۔

"میں آرہا ہوں۔" صورت حال کا اندازہ کر کے مزید کسی استفسار کے بغیر اس نے لائن ڈسکنیکٹ کر دی۔ اس نے ایمبولینس کال کر لی۔ اس سے پہلے ابراہیم ان کے سامنے تھا۔ وہائٹ شلوار سوٹ میں ملبوس کپڑوں کی شکنیں اس کی ذہنی الجھن کی امین تھیں۔ بنا کسی بات کے وہ بابا کی طرف بڑھا۔ اگلے ہی لمحے بابا کے وجود کو مضبوط بازوؤں میں بھر کے باہر نکلنے لگا۔ مما اور میرین اس کے پیچھے تھیں مما نے پیچھے کی سیٹ پر بیٹھ کر بابا کا سر گود میں رکھ لیا۔ وہ فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ چکی تھی۔ گاڑی ہاسپٹل کی طرف رواں دواں تھی۔ بابا کو آئی سی یو میں لے جایا گیا۔ سیریس ہارٹ اٹیک تھا۔ مما اور وہ شیشے کے پار بابا کو مشینوں میں جکڑے ڈاکٹروں کے نرغے میں موجود تکتے اشکبار تھیں۔

"مامی! انشاء اللہ ماموں ٹھیک ہو جائیں گے۔" مما کے ہاتھ تھامے وہ اپنائیت سے دلاسہ دے رہا تھا۔

"بی بریو میری۔" اب وہ اسے سرزنش کر رہا تھا۔ گھر میں کسی کو کچھ بتائے بنا وہ عجلت میں چلا آیا تھا اب انہیں کال کیا تو وہ بھاگے چلے آئے۔

پھوپھا ابراہیم سے بابا کے متعلق استفسار کر رہے تھے جبکہ پھپھو روتے ہوئے گویا تھیں۔

"یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ اگر مجھے خبر ہوتی کہ رشتہ دینے سے میرا بھائی زندگی اور موت کے بیچ لٹک جائے گا تو کبھی رشتہ لے کر نہ آتی۔" مما خاموشی سے سب دیکھ سن رہی تھیں۔ وہ پھپھو تک آیا۔

"ماں! یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے آپ ماموں کی زندگی کے لیے دعا کریں۔" اس نے ایک نظر اشکبار میرین پہ ڈالی پھر نظر پھیر لی۔ کئی گھنٹوں کے صبر آزما انتظار کے بعد ڈاکٹر نے بابا کی زندگی کی نوید دی۔ سب

کے دل بارگاہ الٰہی میں سربسجود تھے۔ بابا کو صبح روم میں شفٹ کر دیا جانا تھا۔ ہاسپٹل میں بیک وقت اتنے بندوں کو رہنے کی اجازت نہیں تھی۔ ابراہیم گویا ہوا۔

"میں ماموں کے پاس رہوں گا۔ آپ سب گھر چلے جائیں۔ مامی آپ کو برا نہ لگے تو آپ اور میری ہمارے گھر چلے جائیں۔ وہاں آپ لوگ تنہا ہو جائیں گی۔ ابا آپ مامی اور میری کو گھر لے جائیں۔" مما رکنے پہ بضد تھیں مگر اس نے منا کر ہی دم لیا۔

"میری چلو بیٹا ابراہیم ہے یہاں۔ ہم صبح آجائیں گے۔" پھوپھا اس کے سر پہ ہاتھ رکھے گویا تھے۔ اس کا سر نفی میں ہلا۔

"مجھے نہیں جانا میں یہیں بابا کے پاس رہوں گی۔" سب نے کہہ کر دیکھ لیا مگر وہ اپنی بات پہ قائم رہی۔ وہ تینوں چلے گئے۔ بابا دواؤں کے زیر اثر غافل تھے۔ بینچ پہ بیٹھی گود میں دھرے ہاتھوں پہ نظریں جمائے وہ اشکبار تھی۔ کاریڈور میں ٹہلتے وہ کتنی دیر سے اسے روتے دیکھ رہا تھا۔ برداشت جواب دے گئی تو بینچ پہ بیٹھ گیا۔ بھیگا چہرہ سوجی آنکھیں آنسوؤں کو روکنے کی کوشش میں کپکپاتے لب۔ ہچکیوں کی زد میں نازک وجود اپنی عزیز ترین ہستی کو درد میں ڈوبے دیکھ کر کتنی تکلیف ہوتی ہے اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ دل کی یہی آرزو ہوتی ہے دکھوں کو نکال کر پلک جھپکتے مسرتوں کو ہم سفر کر دے۔ چند ثانئے خاموشی سے دیکھنے کے بعد اس کا سر اپنے شانے پہ رکھ لیا۔

"ماموں اب ٹھیک ہیں۔ تم تنہا نہیں ہو۔ اس طرح رونے کا کچھ فائدہ ہے بولو؟ تم ریلیکس رہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ وہی کروں گا جس میں تمہاری خوشی ہو گی۔ تمہیں دکھوں کا سودا کرنے نہیں دوں گا خواہ اس کے لیے ابراہیم کو کتنا ہی خسارہ سہنا پڑے۔" دھیمی سرگوشی پہ اس کی آنکھیں مزید برسنے لگیں۔ اس کی شرٹ بھیگتی جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

بابا ڈسچارج ہو کر گھر آگئے تھے۔ ابراہیم نے بیٹوں سے بڑھ کر ساتھ دیا تھا۔ وہ جو برسوں سے گھر کا چھوڑے بیٹھا تھا اب صبح شام چکر لگاتا تھا۔ میڈیسن اور احتیاط کی تاکید کرتا تھا۔ پھپھو اور پھوپھا جان بھی بیتی باتوں کو در گزر کر کے مسلسل خبر گیری کرتے رہتے تھے۔ بابا رو بصحت تھے۔ پھپھو، پھوپھا جان آئے بیٹھے تھے۔ مما بھی براجمان تھیں بابا کے سرہانے بیٹھے میرین عثمان بابا کو زبردستی سوپ پلا رہی تھی۔

"السلام علیکم۔" ابراہیم آفس سے سیدھا یہیں چلا آیا۔ بابا کے ڈسچارج ہونے کے بعد سے اس نے یہی روٹین بنالی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے ماموں۔" ایک دم سے جھک کر اس نے بابا کی پیشانی پہ ہاتھ رکھا۔ مسٹرڈ شرٹ، بلیک پینٹ بلیک ٹائی باندھے بلیک کوٹ بازو پہ ڈالے خوشبوؤں میں بسا میرین عثمان کے بے حد قریب تھا۔

"اب ٹھیک ہوں بیٹا۔" کمرے میں طائرانہ نگاہ ڈال کر بابا آسودگی سے گویا تھے۔ پھوپھا جان، پھپھو سامنے صوفے پہ براجمان تھے۔ مما بیڈ پہ بابا کے سرہانے بیٹھی تھیں۔ جبکہ دوسری طرف میرین عثمان تھی۔ وہ بابا کے پیروں پہ ہاتھ رکھے گویا تھا۔

"کل چیک اپ کروانے جانا ہے۔ آپ تیار رہیے گا۔ میں لے جاؤں گا۔ نو ایکسکیوز۔" فرض شناس بیٹے کی طرح پیار و دھونس سے گویا تھا۔ سوپ کے باؤل میں چمچہ ہلاتی میرین عثمان نے جھکی پلکیں اٹھا کر چند فٹ کے فاصلے پہ اپنے سامنے موجود شخص کو دیکھا جو اب مما سے باتیں کر رہا تھا۔ ملازم چائے لے آیا تھا۔ باؤل ٹرالی میں رکھ کر وہ چائے بنانے لگی۔ سب کو مگ تھما کر آخر میں اسے تھمایا۔ اس نے خاموشی سے تھام لیا۔ ڈرائی فروٹ کی پلیٹ بڑھائی اس نے نفی میں سر ہلایا۔ میرین اپنا مگ لے کر سابقہ پوزیشن میں بیٹھ گئی۔ لحظہ لحظہ اس کی نظریں ابراہیم پہ اٹھ رہی تھیں۔ وہ غیر معمولی خاموشی سے بھاپ اڑاتی چائے پہ نظریں جمائے کسی سوچ میں مستغرق نظر آرہا تھا۔ ایک بات اور نوٹ کی تھی۔ بابا کے اٹیک کے بعد سے وہ بہت کم

اس کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ خود اس کے پاس جاتی تو اسے کوئی کام یاد آجاتا۔ آج جب سے آیا تھا ایک نظر بھی میرین عثمان پر نہ ڈالی تھی۔

"عثمان کی صحتیابی پر میں چاہ رہی ہوں چھوٹی سی پارٹی ارینج کرلوں؟" مما کمرے میں موجود نفوس سے کہہ رہی تھیں۔ پھپھو پھوپھا جان اور پاپا مما کے ہم خیال تھے۔ ابراہیم سوچوں کے گورکھ دھندے میں گم تھا۔ میرین عثمان اسے ڈھونڈنے میں مگن تھی۔

"پارٹی کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ ابراہیم" مما نے مخاطب کیا تو وہ لوٹ آیا۔

"اچھا سوچا ہے۔ بستر پہ لیٹے لیٹے ماموں بھی بور ہو گئے ہوں گے۔ تھوڑا چینج ملے گا۔"

"نو ڈاؤٹ۔ آپ اچھی آرگنائزر ہیں اگر پرمیشن دیں تو اس پارٹی کو میں آرگنائز کرنا چاہوں گا۔" اس نے اپنی خدمات پیش کیں۔ "شیور لیکن یاد رہے کچھ گڑبڑ ہوتی تو کھنچائی بھی کروں گی۔" مما کا ایسا روپ ابراہیم کے لیے کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ سب تحیر کے ساتھ خاموش تھے۔

"آپ حق رکھتی ہیں۔" اس نے مان بڑھایا۔

"بھابھی یہ صرف ہمارا نہیں آپ کا بھی بیٹا ہے۔" پھپھو کے جملے پہ مما مسکرا دی تھیں۔

"مامی!" ابراہیم کی پکار غیر معمولی تھی۔ سب متوجہ ہوگئے۔ اس نے چاروں کو دیکھا نظر سامنے اٹھانے کی ہمت نہیں تھی۔

"ماضی میں جو کچھ ہوا اس پہ میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔ آپ لوگ میرے بڑے ہیں۔ شروع سے ہمارے ریلیشن ٹھیک ٹھیک ہی رہے۔ جب میں نے جانا کہ مامی کو میرا آنا گراں گزرتا ہے تو میں نے یہاں آنا چھوڑ دیا۔ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف دینا مجھے گوارا نہیں۔ لیکن نادانستگی میں جو ہوا اس پہ شرمندہ ہوں۔ مجھے خبر نہیں تھی کہ میری محبت ماموں کو موت و زیست کے بیچ کھڑا کردے گی۔ میں نے مامی کو بھی دکھ دینے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ سوچ بھی کیسے سکتا ہوں، ہیں تو میری ماں جیسی۔ میری وجہ سے پچھلے دنوں جن حالات کا سامنا سب کو کرنا پڑا۔ میں اس پہ شرمندہ ہوں۔ مامی میں نے آپ کی بیٹی سے محبت ضرور کی ہے، مگر اس کا اچھا برا سوچنے کا حق مجھ سے کہیں زیادہ آپ کو ہے۔ اپنی بیٹی کے لیے آپ راعمیس رضا یا کسی کا بھی رشتہ قبول کریں مجھے اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔ میری اولین آرزو اس گھر اور مکینوں کی خوشی ہے۔ آپ جس سے چاہیں اپنی بیٹی بیاہ دیں۔ میں اسے ہر قول و فعل سے آزاد کرتا ہوں۔ آپ کی بیٹی سے دستبردار ہوتا ہوں۔ لیکن میں پھر سے پرانی روش نہیں اپنا سکتا۔ میں آپ کا اور ماموں کا بیٹا بننا چاہتا ہوں۔ آپ لوگ مجھ سے بے اعتنائی برتیں مگر میں ایک بیٹے کی حیثیت سے آپ لوگوں سے جڑا رہوں گا۔ آپ چاہیں یا نہ چاہیں۔ امید ہے میری باتیں گراں نہیں گزری ہوں گی؟ آج آفس میں بہت تھک گیا تھا۔ کل آؤں گا۔ چلتا ہوں۔" اپنی بات مکمل کرکے کمرے پہ طائرانہ نگاہ ڈال کر وہ پلٹ گیا۔ اس نے اپنی نظروں پہ کڑے پہرے بٹھائے تھے اگر نظریں سامنے میرین عثمان سے متصادم ہو جاتیں تو شاید ابراہیم وہ سب نہ کہہ سکتا جو کئی دنوں سے کہنے کا طالب تھا۔ میرین عثمان لفظوں کی بازگشت پہ کتنی ہی دیر بے یقینی سے بیٹھی رہ گئی تھی۔

✲ ✲ ✲

تم سے جدا ہو کر
بدل دیا ہے سب کچھ
تم سے وابستہ تمام باتیں
بھلا دی ہیں میں نے
ہر کال پہ تمہارا گماں ہوتا تھا
سو فون سیٹ کمرے سے نکال دیا ہے
جس ڈائری میں تم رہتے تھے
اسے کوڑے دان میں ڈال دیا ہے
جس گلاس میں تم پانی پیا کرتے تھے
اسے توڑ دیا ہے
مجھ پہ جو رنگ تمہیں بھاتے تھے

انہیں چھوڑ دیا ہے
تم سے جڑی ہر اک چیز
کو نے کھدڑوں میں ڈال کر
سوچ رہی ہوں
تم سے وابستہ ہر اک چیز خود سے جدا کر کے
اک شے ہے جو میرے سینے میں دھڑکتا ہے
جس میں تم بستے ہو
اس دل کا کیا کروں؟
اسے میں کہاں رکھوں؟

گھر میں کل تین نفوس تھے مگر اتنی خاموشی کبھی نہیں رہی تھی۔ بابا بزنس' مما سوشل پارٹیز میں مصروف تھیں۔ مگر درو دیوار سے ایسی وحشت کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ پھوپھو' بابا جان پہلے ہی کی طرح خبر گیری کرتے تھے۔ مما' بابا بھی آج کل گھر ہی میں نظر آتے تھے۔ مما نے ساری سرگرمیوں کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ ابراہیم صبح شام چکر لگا جاتا تھا۔ پچھلی باتوں کو کسی نے کریدا نہیں تھا۔ ابراہیم کی نظریں ہزار کوشش کے باوجود بھی بے قابو ہو جاتی تھیں۔ آتے' جاتے اس کی نظریں اس کے ہی چہرے کو کھوجتی تھیں۔ مگر اس دن کے بعد سے اسے میرب عثمان کا عکس بھی دیکھنے کو نہ ملا۔ دل میں چور تھا۔ سو کسی سے استفسار بھی نہ کیا۔ میرب عثمان کو چپ سی لگ گئی تھی۔ مما' بابا کے بلاوے پہ میز تک آجاتی اور فارملٹی نبھا کر اٹھ بھی جاتی۔ اس دن کے بعد سے اس نے کسی سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ روئی بھی نہیں تھی۔ کبھی کبھی دکھ اتنا سوا ہوتا ہے کہ دل درد سے بند ہونے لگتا ہے۔ حلق میں کانٹے سے چبھ رہے ہوتے ہیں مگر آنکھیں بنجر ہو جاتی ہیں۔ مما کئی دنوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس کی اداسی' زود رنجی ان کی نگاہ میں تھی۔ میرب عثمان کی خاموشی چیخ چیخ کر گویا تھی وہ اس کی اچھی ماں نہیں ہیں۔ جسے بیٹی کی خوشیوں کی پروا نہیں ہے۔ جسے اپنی انا عزیز ہے۔ انتقام کے باعث پہلے ہی بہت سے گلاب لمحے انہوں نے گنوا دیے تھے۔ اب اپنی بیٹی کو انا کی بھینٹ چڑھانا انہیں گوارا نہیں تھا۔ وہ بھی کس کے لیے؟ اس بھائی کے لیے جو انہیں بہت عزیز تھا۔ جس نے سعدیہ سے شادی نہ کروانے پہ خودکشی کی دھمکی دی تھی اور کروڑپتی بیوی پا کر سارا عشق اتر گیا۔ انہوں نے ہمیشہ بھائی کو اولیت دی اور بدلے میں بھائی نے کیا دیا؟ کچھ بھی تو نہیں۔ جب ان کا سہاگ لٹ رہا تھا۔ تب انہوں نے کتنے مان سے بھائی کو فون کیا تھا۔ وہ طالب تھیں ایک شانے کی تاکہ کتھارسس کر سکیں اور جواب میں بھائی نے مصروفیت کی لمبی چوڑی لسٹ تھما دی۔ ساتھ ہی راعمیس کو بھیجتا ہوں کہہ کر جان چھڑالی۔ راعمیس رضا آیا تھا۔ مگر وہ ہاسپٹل کے ماحول سے الرجک ہے یہ کہہ کر ایک گھنٹے میں چل دیا۔ بھائی کی مصروفیت ایک ہفتے تک ختم نہ ہوئی تو وہ گلہ کرنے ان کے گھر چل دیں۔ جہاں راعمیس رضا اپنے لان میں شرجیل سے محوِ گفتگو تھا۔

"یار! سارا پھیلاوا ڈیڈ کا ہے وہی چاہتے ہیں کہ میں میرب عثمان سے باقاعدہ شادی کروں۔ اس کے کئی فائدے ہیں ایک تو ہمارا ڈوبتا بزنس انکل عثمان کے طفیل پھر سے ابھر جائے گا۔ دوسرے عالیہ آنٹی ساری عمر ڈیڈ کی احسان مند رہیں گی کہ ہم نے ابراہیم جیسے مڈل کلاس شخص سے ان کی بیٹی کو بچا لیا۔ یہی وہ باتیں ہیں جن پہ مجھے صبر کرنا پڑ رہا ہے۔ ڈیڈ نے رشتے کی بات بھی کرلی ہے۔ آنٹی تو تیار ہیں۔ اصل پنگا تو وہ بڈھا اور اس کی بیٹی کر رہے ہیں۔ اگر ڈیڈ مجھے ٹھنڈا کر کے نہ کھانے کو بولتے تو اس میرب عثمان کی تو دھجیاں اڑا دیتا۔ ساری پارسائی دھری کی دھری رہ جاتی۔ ڈیڈ نے کہہ دیا ہے بس شادی ہو جائے پھر میں میرب عثمان سے جو چاہے سلوک کروں وہ مجھے ٹوکیں گے نہیں۔ پھر دیکھنا میں کیا حشر کرتا ہوں میرب عثمان کا۔" ڈرنک کے سپ لیتے وہ تحقیر و نفرت سے گویا تھا۔ مما تحیر سے اپنی جگہ جم گئی تھیں۔

"کیا ہے انسان کتنے روپ ہیں اس کے؟" حقیقتاً انسان سے بڑا عجوبہ اس روئے زمیں پہ کوئی نہیں ہے۔ کب کہاں کس روپ میں سامنے آجائے کچھ کہا نہیں

شک کسی انسان کے اتنے چہرے ہوتے ہیں کہ ...ہیں تھک جاتی ہیں مگر روپ ختم نہیں ہوتے۔ مما ...خوشی سے پلٹ آئی تھیں۔ اس دہلیز سے نکلتے ...وں نے سارے رشتے وہیں توڑ دیے تھے۔ اگلے ...راعمیس زہریلی شراب پی کر ہاسپٹل جا پہنچا تھا۔ ...ے کا انجام ہمیشہ برا بھی تو ہوتا ہے۔ تاسف سے ...تے مما نے حقیقت کی نظر سے اپنے گرد موجود ...وں کو دیکھا۔ سعدیہ' وہ نند جس نے ہمیشہ ان کی ...ل باتیں برداشت کیں۔ پھر انہوں نے ابراہیم کی ...ے میں سوچا تھا اور خوب سوچا تھا۔ کتنی آسانی سے ...ان کی بیٹی انہیں سونپ گیا تھا۔ چاہتا تو ورغلا کر ان کی ...زت خاک میں ملا سکتا تھا مگر وہ خود دستبردار ہو گیا۔ یہی ...س کی اعلیٰ ظرفی تھی۔

☼ ☼ ☼

ابراہیم آیا تھا۔ بابا واک پہ گئے ہوئے تھے۔ مما ...نج میں میز کے پاس براجمان تھیں۔ وہ بھی وہیں براجمان ہو گیا۔ چند ایک باتوں کے بعد مما نے اسے بغور دیکھا۔ تھکی ہوئی اسکائی بلو جینز پہ وہائٹ شرٹ پہن رکھی تھی۔ اندر خاصی گرمی تھی مگر باہر خاصی ٹھنڈ تھی۔ وہ شال' سوئیٹر جیکٹ کے بغیر سرد و گرم سے بے نیاز نظر آ رہا تھا۔ دو روز کی بڑھی شیو۔ سنجیدہ چہرہ وہ کوئی دوسرا ابراہیم لگ رہا تھا۔ گاہے بگاہے متلاشی نظریں ...آس پاس میں کونے کھدروں تک جاتیں پھر گوہر مقصود کو نہ پاکر نامراد لوٹ کر بجھ جاتیں۔ مما کتنی ہی دیر اس کی غائب دماغی نوٹ کرتی رہیں۔ بے تاب نگاہوں کو پرکھتی رہیں۔

"بہت محبت کرتے ہو میری بیٹی سے؟" سوال اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ بھونچکا رہ گیا۔

"جی!"

"میں نے پوچھا ہے، بہت محبت کرتے ہو میری بیٹی سے؟" کمال سکون سے سوال دہرایا۔ مگ کے کناروں پہ انگلی پھیرتے وہ سر جھکا گیا۔

"جھوٹ بولوں یا سچ؟" استفسار ہوا۔

"سچ۔" مما کا لہجہ بے لچک تھا۔

"ہاں۔" مما کے لبوں پہ مسکراہٹ بے ساختہ پھیل گئی۔ وہ نظریں چرا گیا۔

"پھر کیا ارادے ہیں؟"

"کس بارے میں؟"

"میری بیٹی کو کب لینے آ رہے ہو سہرا باندھ کر؟"

مما نے جیسے دھماکہ کیا تھا وہ استعجاب سے سر اٹھائے دیکھے گیا۔

"مامی!"

"میں نے سب سے معافی مانگ لی ہے۔ کہو گے تو تم سے بھی مانگ لوں گی۔" ان کے شرمسار لہجے پہ وہ مما کا ہاتھ تھام گیا۔

"گناہ گار مت کیجیے۔"

"تم نے جواب نہیں دیا؟"

"وہ راعمیس۔"

"وہ جہنم میں گیا وہ تم اپنی کہو۔"

"مامی! سچ کہوں میں نے میری کو پانے کے خواب ضرور دیکھے ہیں لیکن اب میں نے ہر زاویے سے دیکھا تو احساس ہوا کیا وہ میرے ساتھ مخصوص سیلری میں خوش رہ سکے گی؟ راعمیس نہ سہی دنیا میں بہت سے اچھے لڑکے ہیں آپ میری کی شادی کسی دولت مند سے کر دیجیے جہاں وہ خوش رہے۔" وہ اس کا سچا خیر خواہ تھا۔ اپنی خوشیاں کی بجائے اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"یہ ساری باتیں تم نے غالباً" مجھے سوچ کر کہی ہیں۔ کیونکہ تم میری بیٹی کے مزاج سے بخوبی واقف ہو۔ جنم بھلے اسے میں نے دیا مگر اس کا انداز تمہاری ماں جیسا ہے۔ دولت کو ٹھکرا کر ماشاء اللہ سعدیہ خوش ہے۔ میری بیٹی بھی سعدیہ پہ گئی ہے۔ اسے قیمتی کپڑوں کا نہیں محبت بھرے ماحول کا شوق ہے۔ اس کی کمزوری گولڈ ڈائمنڈ کی جیولری نہیں پھولوں کے گہنے ہیں۔ اسے سکوں کی کھنک نہیں محبت بھرے جملے متاثر کرتے ہیں۔ فائیو اسٹار ہوٹل میں کھانا کھانے کا شوق نہیں۔ چند روپوں سے خریدے بھٹے

اور آئس کریم پسند ہیں۔" مما بیٹی کے جذبات بیان کر رہی تھیں۔

"تم اپنی کہو۔ منہ موڑنا تو نہیں چاہ رہے ہو؟" مما اسے ٹٹول رہی تھیں۔

"اپنی حیات کی اولین خوشی سے منہ موڑ کر کوئی خوش رہ سکتا ہے؟" الٹا استفسار ہوا۔

"ڈائیلاگز بولنے میں تمہارا کوئی ثانی نہیں۔ پتا چل گیا ہے مجھے 'میری بیٹی کو یوں ہی اسیر کیا ہے۔" مما کے شوخی سے چھیڑنے پہ وہ جھینپ گیا۔ انگلیوں سے پیشانی پکڑے مسکراتے ہوئے سر جھکا گیا۔

"ابھی سعدیہ کو کال کر کے انگیجمنٹ کی ڈیٹ فکس کرتی ہوں۔ نزدیک کی کروں یا دور کی؟" مما مسلسل چھیڑ رہی تھیں۔

"مامی پلیز۔" اس نے جیسے التجا کی۔ خفت سے سرخ چہرہ مما کو ہنسنے پر مجبور کر گیا۔

"مامی! آج دس تاریخ ہے۔ آپ لوگوں کو جو بھی کرنا ہے پلیز چودہ فروری کو کیجیے گا۔ ساتھ ہی پرامس کہ میری کو خبر نہ ہو۔" وہ ایک دم سے پرجوش ہو گیا۔ مما کو مانتے ہی بنی۔ مما نے پھپھو کو کال کیا۔ وہ مما کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ مما گویا تھیں۔

"سعدیہ جو چاہو کہو مگر میرا ہونے والا داماد ہے بڑا بے شرم میرے سامنے اقرار کر رہا ہے کہ آپ کی بیٹی سے بہت محبت کرتا ہوں۔" پھپھو کے ساتھ مما بھی ہنس پڑی تھیں۔ مسکراہٹ دبا کے وہ واک آؤٹ کر گیا۔

☼ ☼ ☼

اگر بسو ہو تم تو
اگر بسو ہوں میں بھی
آؤٹ اسپوکن ہو تم تو
آؤٹ اسپوکن ہوں میں بھی
لائیر ہو تم تو
لائیر ہوں میں بھی
مگر حقیقت یہ بھی ہے جاناں
خالص ہو تم تو
خالص ہوں میں بھی
محبت ہو تم تو
محبت ہوں میں بھی

صفحہ قرطاس پہ ایک مسکراتی نظر ڈال کر اس نے پین ڈائری کے صفحوں میں چھوڑ کر ڈائری بند کر دی۔ کبھی کبھی یوں لگ رہا ہوتا ہے ساری راہیں بند ہو گئی ہوں' کہیں کوئی راستہ' کوئی نشان نہ ہو۔ کوئی جگنو کوئی آس دل کے قریب نہیں پھٹکتی۔ لیکن پھر ایک دم سے ساری راہیں ثابت قدم مسافر کے آگے کھل جاتی ہیں۔ نشان کیا منزل مل جاتی ہے۔ بابا والے سانحے وہ اندر سے ہل گیا تھا۔ زیست و موت کا تب تقدیر کے ہاتھ میں ہے مگر خدانخواستہ بابا کو کچھ ہو جاتا تو ساری زندگی کسک رہتی کہ اس کی محبت نے بابا کی جان لی۔ آہوں' سسکیوں پہ بنا گھروندا آنسوؤں کی بلندش میں بہہ جاتا۔ —— ماں کی زندگی سامنے تھی۔ جس طرح وہ بھائی اور بھابھی کے لیے اداس رہتی تھیں' نہیں چاہتا تھا کہ میرب عثمان بھی انہی پر درد لمحوں سے گزرے۔ رشتوں کی کسک انسان کو ساری زندگی بے کل رکھتی ہے۔ لیکن اب سب ٹھیک تھا۔ محبت کا گلستان پھر سے گنگنانے لگا تھا۔ میرب عثمان کی خاموشی' سامنا نہ کرنا ظاہر کر رہا تھا کہ وہ کتنی ناراض ہو گی۔ کتنا غصہ ہو گا اس پر۔ بعض لوگوں سے شکلیں ملتی ہیں مگر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے ہماری عادتیں ملتی ہیں۔ ابراہیم اور میرب عثمان بظاہر دو نام تھے مگر ان کی عادتیں ایک دوسرے سے بے حد ملتی تھیں۔ دونوں ایک ہی جیسی خوبی' خامی سے آراستہ تھے۔ "اپنی ہی طرح کا دیکھا میں نے ایک شخص۔" میرب عثمان کی خاموشی کے پیچھے کتنے طوفان چھپے تھے۔ ابراہیم جانتا تھا' وہ تمام ناراضی مٹا سکتا تھا۔ تمام غصہ جھاگ کی طرح بٹھا سکتا تھا۔ تمام طوفان کے رخ موڑ سکتا تھا لیکن اسے انتظار تھا چودہ فروری کا۔

☼ ☼ ☼

کسی اپنے سے بچھڑنے کا احساس بہت کٹھن ہے۔

ارادے ہزاروں عہد ہوتے ہیں یاد نہیں کرنے کے‘ بھول جاتے کے مگر سارے عہد‘ ارادے ریت کی مانند پھسلتے چلے جاتے ہیں۔ ساری کوشش رائیگاں چلی جاتی ہے۔ کچھ لوگ اتنے مستقل مزاج ہوتے ہیں کہ خیالوں کے کونے کھدروں سے اندر گھس آتے ہیں پھر نکالے نہیں نکلتے۔ چودہ فروری‘ نظر ٹیبل کیلنڈر پر پڑی تو دل سے آہ نکلی۔ وہ شخص اسے دان کر کے جانے کیا کر رہا ہوگا۔

آپ سے ہے گلہ آپ سے ہی پیار
آپ کا تھا مجھے ہر پل انتظار
برداشت نہیں ہوتا اب مجھ سے میرے یار
آپ کی خطا‘ بےوفائی معاف کرتا ہے دل
جانے کیوں؟
آپ سے صنم انتہائی پیار کرتا ہے دل
جانے کیوں؟

سی ڈی پلیئر بج رہا تھا اور آنکھوں کے سمندر میں جلن ہونے لگی تھی۔ گرم گرم لہریں پلکوں کے کناروں جلا رہی تھیں۔

دل میں درد کے ٹانکے دھڑا دھڑ کھل گئے تھے۔ اس کی خاموشی اسے اندر ہی اندر کاٹ رہی تھی‘ کھا رہی تھی۔ اندر ایک آگ لگی ہوئی تھی۔ غصے کا آتش فشاں پھٹنے کو بے قرار تھا۔ اشتعال رگوں میں دوڑ رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے مما آئی تھیں اس کے پاس۔ اس کی دلگرفتگی پہ چوٹ پڑی تھی ان کے دل پہ۔ ان کی گود میں سر رکھے کتنے آنسو اس نے خاموشی سے بہائے تھے۔ مما اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔

”مما! آپ پھر سے بدل تو نہیں جائیں گی نا؟“ مما نے بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی تھی۔ ملگجے حلیے پہ ایک نگاہ ڈال کر مما نک سوٹ تھما گئیں۔ اسے چینج کرنا پڑا۔ کارپٹ پہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے پیشانی گھٹنوں پہ ٹکائے وہ کتنی ہی دیر سے اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔ اس کے بیڈروم کا دروازہ کھلا تھا کہ مخصوص خوشبو پھیل گئی تھی۔ اس کا اندازہ ہنوز وہی تھا۔

”میری!“ سماعت میں جیسے کسی نے سرگوشی کی تھی۔ جھٹکے سے سر اٹھا کر اس نے نظریں اٹھائی تھیں۔ ابراہیم اپنی ذات کا زعم لیے مقابل تھا۔ اس کی آنکھیں ساکت رہ گئی تھیں۔ سحر انگیز نگاہیں ابراہیم پہ اٹھی ہوئی تھیں پھر ان آنکھوں میں دھیرے دھیرے طغیانی اتر آئی۔ اس نے پیشانی سابقہ انداز میں گھٹنے پہ رکھ لی۔ اس کے درد‘ تڑپ‘ اذیت کا احساس تھا۔ ہجر کے لمحے کتنے کڑے گزرے ہیں‘ اس کے آنسو امین تھے۔ مقابل بیٹھتے اس کے سر پہ اس کا ہاتھ آپڑا تھا۔

”میری!“ پکار محبت و جنوں سے لبریز تھی۔ اس نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ اپنے سر سے ہٹا دیا۔ خفگی بھرے چہرے پہ اس نے مسکراتی نظر ڈالی۔

”کیسی ہو؟“ اتنے دنوں کی بے گانگی کے بعد اس رویے نے اسے آگ لگا دی۔

”زندہ ہوں‘ ورنہ تم تو سوچے بیٹھے ہوگے کہ

سنجیو کپور کی کتاب ”کھانا خزانہ“ کی کامیابی
کے بعد لذیذ کھانوں کی ترکیبیں

انڈین کھانے

سنجیو کپور
قیمت=/250 روپے
ڈاک خرچ=/30 روپے
آج ہی گھر بیٹھے منگوانے کے لیے
=/280 روپے کا منی آرڈر یا ڈرافٹ
ارسال کریں
منگوانے کا پتا
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی
فون نمبر 2216361

ڈائجسٹ ناولز گروپ

تمہارے عشق میں فوت ہوگئی ہوں گی۔"
"نہیں کیونکہ میں جانتا ہوں' بڑوں سے بھی سنا ہے۔ بڑے لوگ جلدی نہیں مرتے۔" اس کی جان پہ بنی تھی اور وہ بیڈ لہ سنجی میں مگن تھا۔
"گیٹ لاسٹ۔" وہ چیخی۔
"جب میرا دل چاہے گا' تب جاؤں گا۔" اسے ستانے میں مزہ آرہا تھا۔
"یہ میرا بیڈروم ہے' میرا گھر ہے۔" اس نے جتایا۔
"تمہیں کیا لگتا ہے' میری یادداشت کہیں کھو گئی ہے؟"
"ابراہیم! دفع ہو جاؤ۔ تم اس لائق نہیں ہو کہ تم سے بات بھی کی جائے۔"
"ایسا کیا کر دیا میں نے؟"
"زیادہ معصوم نہ بنو۔ میں سمجھتی تھی تم اوروں سے مختلف ہو مگر جلد ہی تم نے بھی اپنا اصل روپ دکھا دیا۔ محبت کے سفر میں دور تک چل کر پیچھے ہٹ گئے۔ نہ صرف پیچھے ہٹے مجھے دان کر دیا۔ کون سا استحقاق رکھتے ہو تم مجھ پہ؟ حق کیا ہے مجھ پہ تمہارا جو تم میری زندگی کے فیصلے کرنے چلے تھے۔ میں بازار میں بجی کوئی چیز تھی جسے جب چاہو گے کسی کی جھولی میں ڈال کر چلتے بنو گے۔ اتنی بے مول نہیں ہے میری ذات۔" غصے سے بری حالت تھی۔
"اگر میں سوری کہوں تو؟" ساگر آنکھیں بغور سحرانگیز نظروں میں گڑی تھیں۔
"مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" وہ رکھائی سے گویا تھی۔
"میری! میں نے جو کچھ کہا تھا' اس کا مقصد یہ نہیں کہ میں نے تم سے محبت نہیں کی یا تم سے دستبرداری کا فیصلہ کرنا آسان تھا۔ کتنی ہی راتیں نیندیں گنوا کر بڑی مشکلوں سے فیصلہ کیا تھا۔ اپنا فیصلہ سناتے وقت میں نے تمہاری طرف دیکھا بھی نہیں تھا کیونکہ مجھے یقین تھا تم پہ نظر پڑتے ہی میں کمزور پڑ جاؤں گا۔ ہر انسان کی کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے۔ میری کمزوری تم ہو۔ میں نے جو بھی کہا تھا' تمہاری خوشی کے لیے کہا تھا۔ تمہارا چین' تمہاری ہنسی مجھے مکمل چاہیے تھی مگر مالی کے باعث ایسا کسی طور ممکن نہیں تھا۔ لکر لے کر میں تمہیں پا ضرور لیتا مگر تم کبھی مکمل خوشی سے لطف اندوز نہ ہوتیں۔ میری رفاقت تمہیں نکھار نہ پاتی۔ اپنی اماں کو میں نے اکثر بھائی' بھابھی کے لیے اداس دیکھا ہے۔ اپنی اماں کی طرح میں تمہیں دو حصوں میں بٹی زندگی جیتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ تم میری ہو کر بھی نا آسودہ رہتیں تو میں بھی خود کو معاف نہ کر پاتا۔ مجھے تمہاری ہنسی' مسکراہٹ تم سمیت عزیز ہے۔" وہ اچنبھے سے اس کی صورت دیکھ رہی تھی۔
"یقین نہیں آرہا کہ میں نے سب تمہاری خوشی کے لیے کیا؟"
"اک جھوٹے اور بے اعتبار شخص پہ یقین کیونکر آئے۔"
"میں جھوٹا اور بے اعتبار ہوں؟" وہ غصے میں آگیا۔
وہ حقیقت بتا رہا تھا اور وہ جھوٹا گردان رہی تھی۔
"غصلے کے ساتھ بہت برے بھی ہو لیکن یہ تمہاری ساگر آنکھیں بہت اچھی ہیں کیونکہ یہ تمہاری طرح جھوٹ نہیں بولتیں۔" وہ مسکراتے ہوئے گویا تھی۔
"ہیں۔۔۔" ایکدم سے ٹریک بدلنے پہ وہ ہونق ہوگیا۔ کہاں تو وہ لڑ رہی تھی اور اب مسکراہٹ کا لبوں پہ قبضہ تھا۔
"یہ کیا چکر ہے' سچ سچ بتاؤ؟" چہرے پہ جھولتی لٹ کو کھینچا۔
"مما! ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھے سب بتا گئی ہیں۔" اس نے انکشاف کیا۔
"شٹ۔ یعنی اتنی دیر سے مجھے الو بنا رہی تھیں۔" نظریں چہرے پہ بھٹک رہی تھیں۔
"تم نے بھی تو مجھے ستایا۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ لائٹ پنک ہائی نیک بلیک جینز میں فریش چہرے کے ساتھ اچھا لگ رہا تھا۔

"مجھے معاف کر دیا؟" دھیرے سے سوال کیا۔
"تم جیسے ہمسفر سے کون ناراض رہ سکتا ہے لیکن میں ابھی خفا ہوں۔ ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے میں نے تم سے اپنا ایک سیکرٹ شیئر کیا تھا۔ نجانے کیسے شخص سے پیار کر بیٹھی ہوں۔ سب کچھ خود بتانا پڑتا ہے۔ خود چلے آئے' یہ نہیں ہوا کہ چند روپوں کے گجرے خرید لاؤ......"
"چپ' بہت بولتی ہو تم۔" ڈانٹ کر گہنے سامنے کیے۔ وہ شاکڈ رہ گئی۔ کنگن پہناتے دھیرے سے گویا ہوا۔
"سب یاد ہے۔ تم سے ناتا جوڑا تو ساری چیزیں یاد کرلی ہیں لیکن پھر بھی تمہارا بولنا اچھا لگتا ہے۔" وہ اب دوسرے ہاتھ میں کنگن پہنا رہا تھا۔
"جب تم استحقاق سے ڈپٹتی ہو' تب اچھا لگتا ہے۔ معاف کرنے کے باوجود ناراضگی کا اظہار کرتی ہو تو اچھا لگتا ہے۔ گجرے نہ لانے پہ غصہ کرتی ہو تو اور بھی اچھا لگتا ہے۔" اب وہ کانوں میں پھول پہنا رہا تھا۔ وہ خود میں سمٹ گئی۔ ساری بولتی بند ہوگئی۔ گجروں میں لپٹی سمٹی قرار لوٹ رہی تھی' پلکیں جھکی تھیں۔
دونوں ہاتھ ہاتھوں میں لے کر گویا تھا۔
وہ کہتی ہے مجھ میں کچھ بھی اچھا نہیں ہے
پھر گھنٹوں کیوں مجھے تکتی ہے
وہ کہتی ہے میں جھوٹا ہوں
پھر اعتبار کیوں مجھ پہ کرتی ہے
وہ کہتی ہے میں اس کا نہیں ہوں
پھر مجھے اپنی سی کیوں لگتی ہے
وہ کہتی ہے غصہ نہ کیا کروں میں
پھر وہ اتنے دنوں بعد کیوں ملتی ہے
وہ کہتی ہے مجھ سے محبت نہیں ہے اسے
پھر میرے سامنے پلکیں بوجھل کیوں رہتی ہیں
مکر جاتی ہے ہر ایک بات سے
خاموش ہو جاتی ہے ہر سوال پہ
پھر میں کہتا ہوں
عشق کی لو سے بچ نہ سکو گی اب
میرا عشق شعلہ سا ہے
جو تمہارے دل کو لپکتا ہے
وہ ہاتھ چھڑا کر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ باہر پھپھو آئی بیٹھی تھیں۔ اسے تیار ہو کر باہر جانا تھا' جہاں تمام بڑے ان دونوں کے منتظر تھے۔
وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا بیٹھی۔ ابراہیم کمر ڈریسنگ ٹیبل سے ٹکا کر ہاتھ باندھے کھڑا رہا۔
"مجھ سے ناتا جوڑنے چلی ہو تو چند باتیں جان لو۔" اس نے لپ اسٹک اس کے ہاتھ سے لے کر بند کی۔
"بتاؤ۔"
"روز ڈھیروں شاپنگ نہیں کروا سکوں گا؟"
"مہینے میں ایک جوڑا بنا دیں گی۔"
"فاقہ کرنا پڑا تو گزارا کر لوگی؟"
"ہاں - لیکن تم ہوٹلنگ کرکے نہیں آؤ گے۔" اب وہ انگلیاں پھیلائے کیوٹکس ناخنوں پر لگا رہی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے بغور دیکھ رہا تھا۔
"روایتی شوہروں کی طرح لڑوں گا؟"
"مجبور بیویوں کی طرح کچن میں جا کر رو لوں گی۔" ناخنوں پر پھونک مارتے وہ گویا تھی۔
"روز صبح سات بجے اٹھنا ہوگا؟"
"اٹھ جاؤں گی۔"
"جھگڑ کر میکے تو نہیں جاؤ گی؟"
"تم گھر میں منا لینا۔" بالوں میں برش کرتے انہیں کیچر میں جکڑنے لگی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کیچر لے لیا۔ بال بکھر گئے۔ اس کا جگمگاتا چہرہ اور روشن ہو گیا۔
"میں اپنا ایک الگ قبیلہ بنانا چاہتا ہوں۔" وہ اسے شریر نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میرین اپنا متغیر چہرہ جھکا گئی۔
"مجھ سے تعاون کی امید مت رکھنا۔" دوپٹہ شانوں پہ برابر کرکے وہ سرعت سے نکل گئی۔ وہ مسکراتا ہوا پیچھے تھا۔
✲ ✲